احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اپریل 2013ء

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو؟

روشن اور مستحکم پاکستان کا انقلابی لائحہ عمل

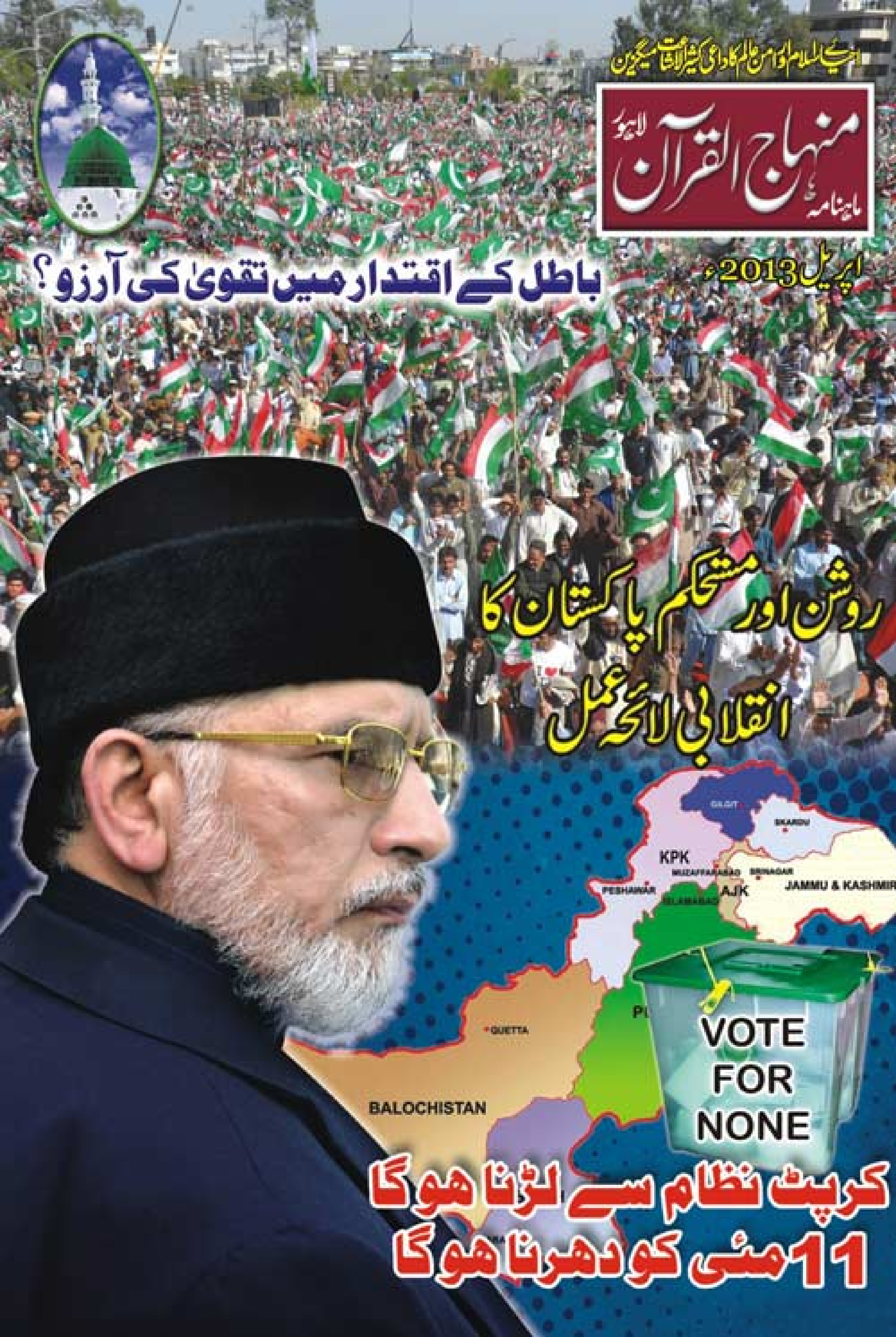

کرپٹ نظام سے لڑنا ہو گا

11 مئی کو دھرنا ہو گا

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

صل علیٰ کا ذکر ہے حمد و ثنا کے بعد
''اک مصطفیٰ کا نام ہے نامِ خدا کے بعد''

ہوگا نصیب خُلد میں روزِ جزا کے بعد
ملتا ہے جو سرور خدا کی رضا کے بعد

کرتا ہے التفات وہ لطفِ مزید سے
عرضی جو بھیجتا ہوں نئی ہر دعا کے بعد

سنتا ہے سب کی عرض سمیع و بصیر خود
گو سیلِ التجا ہے ہر اک التجا کے بعد

جائے گا اس کے پاس جو توبہ کئے بغیر
ہوگا بری عذاب سے لیکن سزا کے بعد

توّاب ہے وہ ذات غفور و رحیم ہے
بخشش کی ہے امید اسی سے خطا کے بعد

کعبہ کے اردگرد فضائے مطاف میں
رحمت کا سلسلہ تھا کرم کی ہوا کے بعد

وقت اجل بھی حمد کی توفیق ہو مجھے
مدحِ نبی ہو لب پہ ثنائے خدا کے بعد

شہزؔاد کر وسیلۂ صدیق اختیار
پہلے امام تو ہیں وہی مصطفیٰ کے بعد

(شہزادی مجددی)

نعت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دربار محمدؐ میں جاکر انداز بدلنا پڑتا ہے
خاموشی زُباں بن جاتی ہے اشکوں کو چھلکنا پڑتا ہے

اللہ کے کرم کا ہے یہ اثر اس پاک مقدس چوکھٹ پر
ہر آنکھ گراتی ہے موتی، ہر دل کو مچلنا پڑتا ہے

طیبہ کے سفر میں زادِ سفر کیا ہوتا ہے کیا بتلاؤں
پلکوں کو بچھا کر رستے میں، اس راہ پہ چلنا پڑتا ہے

بے بس ہوتا ہے عشق جہاں دہلیزِ عقیدت پر جا کر
سر پاؤں وہاں بن جاتے ہیں، زائر کو سنبھلنا پڑتا ہے

فطرت انداز بدلتی ہے جب بات محمدؐ کی آئے
ہوتے ہیں چاند کے دو ٹکڑے، سورج کو پلٹنا پڑتا ہے

جا پائے گا کیسے تو طاؔہر طیبہ کی مقدس دھرتی پر
جہاں خاک کو پلکوں سے چن کر پھر منہ پہ ملنا پڑتا ہے

(طاہر قیوم طاؔہر)

کرپٹ نظام سے لڑنا ہوگا۔۔۔

سرزمین پاکستان میں آج کل چارسو بہار کے رنگ بکھر رہے ہیں مگر جب ماحول زندگی کش بن جائے تو انسان تمام بہاروں سے بے نیاز ہوکر اپنی بقاء کی فکر میں خودغرض بن جاتا ہے۔ اندر بہار ہوتو باہر کی شدید موسی تلخیاں برداشت ہوجاتی ہیں لیکن اندر گھٹن ہو، اعصاب پر مسائل کے پربت گر رہے ہوں اور ذہن میں گزر اوقات کے چیلنجز کروٹیں لے رہے ہوں تو کوئی بہار، کوئی بانکپن اور کوئی دلکشی انسان کو بھلی نہیں لگتی۔ اس کے لئے سال کے سب موسم خزاں رسیدہ رہتے ہیں۔ اس کے لئے نہ علم و ہنرفیض رساں رہتا ہے اور نہ عبادت و ریاضت میں دل لگتا ہے۔ ایسے حالات میں عموماً نفسانفسی، حرص و ہوس، لاقانونیت مار دھاڑ حتی کہ قتل و غارت گری جیسے حیات کش رجحانات سر اٹھالیتے ہیں۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب انسانوں کا معاشرہ خوں خوار درندوں کا نقشہ پیش کررہا ہوتا ہے اور یہ کسی بھی قوم کی بدترین حالت ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک شخص جسے اللہ تعالیٰ نے تھوڑی بہت حساس طبیعت اور فطرت سلیمہ سے نواز رکھا ہے وہ جانتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ گذشتہ کئی دھائیوں سے اس افسوسناک تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے اور آہستہ آہستہ گہری کھائیوں کی طرف سرک رہا ہے۔ یہ حالات راتوں رات پیدا نہیں ہوئے انہیں اس موڑ تک لانے میں ''اہل فکر و تدبر'' کی سالہا سال کی منصوبہ بندی شامل ہے۔

؎ فطرت کرتی ہے پرورش برسوں　　　　حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

پاکستان جس جذبے، جس تڑپ اور جس آرزو کے ساتھ بنایا گیا تھا آج نہ وہ جذبے ہیں نہ تڑپ ہے اور نہ وہ حسن آرزو ہی باقی رہی ہے جو ہرقوم کو سہارا دے کر کھڑا کردیتی ہے۔ اس قوم نے پے درپے دھوکے کھائے ہیں، اسے اتنا لوٹا اتنا توڑا اور اس قدر زخمی کیا کہ اس کی چیخیں مشرق ومغرب میں سنائی دیتی ہیں۔ اب یہ ملک دنیا کے خطرناک ترین خطوں میں شامل ہوچکا ہے۔ جہاں زندگی سسک سسک کر جی رہی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خطہ خداداد کو اس قدر بدحال کرنے والوں کا اتہ پتہ بھی معلوم ہے یا اسے بھی خفیہ ہاتھوں کی کارستانی کہہ کر آنکھیں بند کرلی جائیں۔ جی ہاں اسے اس کے چوکیداروں نے لوٹا اور اس کے رہبروں نے نوچا۔ عوام اور ملکی ادارے تباہی کے گھاٹ اتر گئے اور لٹیروں کے اکاؤنٹ، جائیدادیں اور عشرت کدے ملک اور بیرون ملک خود بہ خود چغلی کھا رہے ہیں۔ آج وہی لٹیرے، بازی گر اور چرب زبان سیاستدان تھوڑی بہت انتخابی تبدیلیوں کے ساتھ میدان عمل میں کود رہے ہیں۔ ان کے مزاج اور کردار میں آج بھی فرعونیت آمریت اور خود پسندی کے بت سجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بار بار اقتدار کے دسترخوان پر اس لئے بھی منڈلا رہے ہیں کیونکہ انہیں کوئی قانون، کوئی طاقت روکنے والی نہیں۔ دیکھنے کو یہاں عدلیہ بھی آزاد ہے اور میڈیا بھی لیکن نہ عدلیہ کرپشن کی سونامی کو روک سکی ہے اور نہ میڈیا کوئی رکاوٹ ڈال سکا۔ وجہ یہ ہے کہ عدلیہ اور میڈیا دونوں نے خود نظام کا سفید ہاتھی پال کر رکھا ہوا ہے جو انہیں بھی نواز رہا ہے اور لوٹ مار کرنے والوں کو بھی۔ اس نظام لوٹ مار کے خلاف اگرچہ کہیں کہیں سے آوازیں بھی اٹھ رہی ہیں، بغاوتیں کروٹیں لے رہی ہیں اور تبدیلی کے نعرے بھی سنائی دیتے ہیں مگر یہ آوازیں ابھی موثر نہیں ہورہیں۔ سبب صرف ایک ہے کہ متاثرہ فریق یعنی عوام مکمل طور پر تبدیلی کا حصہ نہیں بن پارہے۔ ہر پانچ سال کے بعد یہاں جمہوریت کے نام پر انتخابات کی مشق ہوتی ہے لوگ پرچی کے ذریعے اپنا انتقامی جذبہ وقتی طور پر ٹھنڈا کرلیتے ہیں اور پھر اگلا پانچ سالہ عرصہ اپنی تقدیر انہی لوگوں کے ہاتھوں میں دے کر واپس مسائل و مشکلات کی دلدل میں اتر جاتے ہیں۔

مگر دوسری طرف دیکھا جائے تو مصائب وآلام کی بھاری سلوں کے نیچے کراہتی ہوئی خون میں لت پت قوم سے اس جمہوریت نے کون کون سے انتقام نہیں لئے؟ اندھیروں کا انتقام، دہشت گردی کا انتقام، مہنگائی کا انتقام، ریکارڈ توڑ کرپشن کا انتقام اور فاٹا سے لے کر بلوچستان اور کراچی کی شاہراہوں پر بے موت مرنے والے 40 ہزار پاکستانی شہریوں کی ہلاکت کا انتقام۔ یہ سارے انتقام دراصل پاکستانی قوم کے اس بھولپن کا انتقام ہے جس کے تحت یہ ہر بار چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کو اپنے ووٹوں سے منتخب کرکے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھیجتی ہے۔

پاکستانی عوام کی غفلت، لاعلمی اور عاقبت نااندیشی کو دیکھیں تو اس قوم کے عقل وشعور پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

اسے لوٹنے والوں کی نسلیں بدل رہی ہیں، دادا کی جگہ اب پوتے اور نانا کی جگہ نواسے میدان سیاست میں اتر چکے ہیں، جو کمپیوٹرائزڈ نقب زنی میں اپنے باپ دادا سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ ادھر نعرے لگانے اور ووٹوں کا ہدیہ دینے والوں کی نسلیں بھی بدل چکی ہیں مگر مجبوریوں اور مفادات کے پھندوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے ہیں۔ پاکستانی قوم میں نسلی، لسانی، صوبائی اور مذہبی انتشار کی شدت اور کثرت نے مزید ظلم یہ ڈھا رکھا ہے کہ یہ طبقات اور ٹکڑوں میں تقسیم ہوچکی ہے۔ ان تعصّبات کا فائدہ بھی یہی سیاسی لٹیرے اٹھا لیتے ہیں اور عوام ایک مرتبہ پھر اگلے پانچ سالوں کے لئے اپنے زخموں کو چاٹتی رہ جاتی ہے۔ پہلے تو ہم نے انفرادی اور قومی مال، عزت اور زندگی کو داؤ پر لگائے رکھا مگر مکار دشمن نے اس مرتبہ ملکی سلامتی کو داؤ پر لگوانے کا اہتمام کررکھا ہے۔ اس لئے اہل بصیرت اس مرتبہ زیادہ فکر مندی کا شکار ہیں۔ اس مرتبہ منظر نامہ خاصی حد تک خون آلود نظر آرہا ہے۔

انہی حالات و واقعات کے تناظر میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ''سیاست نہیں ریاست بچاؤ'' کا نعرہ لگایا۔ انہوں نے ان تمام مسائل کی جڑ کرپٹ نظام انتخابات کو قرار دیا اور آئین و قوانین کی روشنی میں انتخابی اصلاحات کی طرف پوری قوم کی توجہ مبذول کروائی مگر مقتدر طبقات نے ہٹ دھرمی، تعصب اور اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ کی خاطر ان پر کوئی توجہ نہ دی مگر آج قوم کے سامنے ''مک مکا'' پر مبنی باری کی منافقانہ سیاست کے پردے آہستہ آہستہ چاک ہورہے ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ مفاداتی سیاست کا رواج عام ہے اور دھڑے بندیوں کے علاوہ قومی صحافتی اداروں میں ذاتی پسند و ناپسند کا عمل دخل بھی بہت زیادہ ہے اس لئے ہمارے بعض تبصرہ نگار اور تجزیہ کار ان کے پیچھے کسی خفیہ ہاتھ کی تلاش کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ حالانکہ انہوں نے جن مسائل اور خطرات کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس سے اصولی طور پر اختلاف کیا جاسکے۔ مگر اس ملک کی سیاست، شرافت اور عدالت کے کیا کہنے کہ اتنا غبن، کرپشن، لوٹ مار، اداروں کی بربادی اور ملکی سلامتی کے خلاف اقدامات کرنے والے پھر بھی ملک قوم اور آئین کے وفادار ہیں اور جو شخص اس لوٹ مار اور انتخابی دھاندلی کو روکنے کے لئے الیکشن کمیشن کی آئینی حیثیت پر اعتراض لے کر عدالت جاتا ہے اسے غیر ملکی قرار دے کر اس کی نیت پر شک کیا جاتا ہے۔

وہ سیاسی بازی گر جنہوں نے پورا ملک لوٹ کر اپنی تجوریاں بھرلی ہیں اور ایک مرتبہ پھر لوٹ مار کا میدان سجانے کے لئے مکاریوں اور عیاریوں کا جال بچھا رہے ہیں۔ اس انتخابی نظام میں تبدیلی نہ آئی تو لوٹ مار کے کھیل کو قانونی اور آئینی تائید ملتی رہے گی اور ملک کی سلامتی مزید خطروں میں گھرتی چلی جائے گی۔ ان تمام حقائق سے قوم اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مطلع کرنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری جیسے اہل علم و بصیرت شخص نے ''سیاست نہیں ریاست بچاؤ'' کے مقصد کے تحت ساری خرابیوں کی جڑ ''پاکستان کے کرپٹ نظام انتخاب'' کو مسترد کرتے ہوئے پولنگ ڈے پر اس عوام دشمن نظام کے خلاف ملک بھر میں پرامن دھرنوں کا اعلان کردیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ جمہوریت سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کے لئے اس کرپٹ و فرسودہ سیاسی نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ہوگا اور اس کی جگہ ایسا صاف شفاف اور بااختیار جمہوری نظام تشکیل دینا ہوگا جو ایک طرف پاکستان کے کلچر، روایات، ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہو اور دوسری طرف پاکستان کی اندرونی و بیرونی سلامتی اور اس کے شہریوں کے حقوق کا محافظ بھی بن سکے۔

پولنگ ڈے پر دھرنے دراصل VOTE FOR NONE کا اظہار ہیں یعنی موجودہ کرپٹ نظام انتخابات میں حصہ لینے والوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو ہمارے ووٹ کا آئینی و قانونی حقدار قرار پائے کیونکہ یہ سب اسی کرپٹ نظام کی پیداوار اور اسی کے محافظ ہیں۔ 60 فیصد لوگ پہلے ہی ان امیدواروں پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا استعمال ہی نہیں کرتے مگر ان کا یہ اظہار کسی بھی سطح کے فورم کے نوٹس اور ریکارڈ میں نہیں آتا۔ پاکستان عوامی تحریک نے بالخصوص انہی لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے پولنگ ڈے پر ملک گیر دھرنوں کا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا گھروں میں خاموشی سے بیٹھ رہنے کے بجائے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے VOTE FOR NONE کے سلوگن کے ساتھ اپنے شہروں میں ہونے والے دھرنوں میں بھرپور شرکت کو یقینی بنائیں۔

شیخ الاسلام اور پاکستان عوامی تحریک کے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے وقتی و سطحی مفادات، کسی مجبوری و تعلق داری اور خوف و لالچ کی وجہ سے ووٹ ڈالتے ہیں۔ ان مجبور و بے کس لوگوں کو بھی ملکی و قومی مفاد کے پیش نظر اس نظام کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز پہ لبیک کہنا ہوگا اور عزم مصمم لئے پولنگ ڈے دھرنوں میں شریک ہوکر ''کرپٹ نظام سے لڑنا ہوگا''۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

القرآن

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو؟

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب☆

مرتب: محمد یوسف منہاجین / معاون: محمد طاہر معین

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَ ثِیَابَکَ فَطَهِّرْ. (المدثر، ۱۔۴)

’’اے چادر اوڑھنے والے (حبیب!)o اُٹھیں اور (لوگوں کو اللہ کا) ڈر سنائیںo اور اپنے رب کی بڑائی (اور عظمت) بیان فرمائیںo اور اپنے (ظاہر و باطن کے) لباس (پہلے کی طرح ہمیشہ) پاک رکھیں‘‘۔

سورہ المدثر کی یہ پانچ آیات پیغام رسالت پر مشتمل ہیں۔ وہ احباب جو دین کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ان آیات میں راہنمائی موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منصب رسالت پر فائز کرتے ہوئے ان پانچ آیات پر مشتمل ذمہ داریاں عطا فرمائیں۔ اگر امت مسلمہ فیضان و انوار رسالت ﷺ سے اپنے ظاہرو باطن کو روشن کرنا چاہتی ہے اور اپنا تعلق حضور ﷺ کی رسالت سے قائم کرتے ہوئے حضور ﷺ کی سچی اتباع و پیروی کرنے والی بننا چاہتی ہے تو پھر زندگی کے تمام گوشوں اور نظام کی اسی طرح اصلاح کرنا ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذریعے ہم تک حکم پہنچایا۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو منصب رسالت کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سرکش، باغی اور نافرمان ہوگئے ہیں، دین کے خلاف عداوت اور عناد پر اترتے ہوئے انسانیت پر ظلم اور اللہ کی واضح نافرمانی کا ارتکاب کررہے ہیں ایسے لوگوں کو دنیا اور آخرت کے ذلت ناک عذاب کا ڈر سنادیں۔ جھوٹے، باطل، طاغوتی نظاموں کے تسلط اور جھوٹے خداؤں کی بالا دستی کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اپنے سچے رب کی کبریائی کا ڈنکا بجا دیجئے۔ وہ سارے نظام اور وہ ساری بالادستی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے خلاف ہیں، ان کو ماننے اور ان کی بڑائی و بالا دستی کو تسلیم کرنے کے بجائے فقط اپنے رب کے نظام کی بالادستی کا علم بلند کریں اور وہ سارے لوگ اور نظام جو بڑائی کے لائق نہیں ان کو مسترد کردیں۔

معاشرے کے لباس کی تطہیر کا حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ. کے الفاظ کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے ظاہرو باطن کے لباس کو پہلے کی طرح ہمیشہ پاک رکھنے کا حکم دیا۔

☆ (CD#702 (11-12-1992), CD#708۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا 1992ء میں کیا گیا یہ خطاب ان کی فکر کی ثقاہت اور Vision کے تسلسل کا اظہار ہے کہ وہ آج بھی انہی خطوط پر سیاست سمیت معاشرے کے ہر شعبہ کی تطہیر کے لئے ہر سطح پر کوشاں ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا لباس تو پہلے ہی پاک تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کس لباس کو پاک رکھنے کا حکم دیا؟

یاد رکھیں! ہماری معاشرتی زندگی میں مختلف نظام کارفرما ہیں مثلاً معاشرت کا نظام، گھریلو زندگی کا نظام، سیاست کا نظام، تہذیب و ثقافت کا نظام، کاروبار و تجارت کا نظام۔ یہ تمام نظام جس سے پورے معاشرے کی زندگی عبارت ہے درحقیقت معاشرے کا لباس ہیں۔ ہمارے ملک کا سیاسی نظام ہمارا لباس ہے۔۔۔ تہذیب و ثقافتی نظام ہمارا لباس ہے۔۔۔ معاشی نظام ہمارا لباس ہے۔۔۔ تعلیمی و تربیتی نظام ہمارا لباس ہے۔۔۔ لہٰذا وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. سے مراد یہ ہے کہ

یہ مختلف نظام جن میں یہ معاشرہ زندگی بسر کررہا ہے جب دین کی سربلندی کا نعرہ بلند کردیا جائے اور باطل کے بتوں کو توڑ دیا جائے تو پھر ان تمام کو بھی طاغوت کی آلائشوں سے پاک رکھنا ہوگا۔ جب اللہ کی کبریائی کا ڈنکا بجانا ہے تو خالی مسجدوں میں ہی اللہ کا دین نہ رہے، صرف پانچ وقت کے لئے ہی زندگی پاک نہ ہو بلکہ جیسے اللہ کے حضور سجدہ ریزی کے وقت بدن کا لباس پاک ہوتا ہے، اسی طرح گھریلو زندگی کا لباس بھی پاک ہو۔۔۔ اقتصادی زندگی کا لباس بھی پاک ہو۔۔۔ معاشی، معاشرتی اور سماجی زندگی کا لباس بھی پاک ہو۔۔۔ سیاسی زندگی کا لباس بھی پاک ہو۔۔۔ تہذیب اور ثقافت کا لباس بھی پاک ہو۔۔۔ تاکہ معاشرے کے جتنے نظام ہیں وہ سارے اللہ کے دین کے ساتھ پاک ہوجائیں اور باطل، کفر، طاغوت کی جملہ پالیدیاں مٹ جائیں۔

افسوس! ہمارا معاشرتی طرز عمل اس فکر کے برعکس ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کا نظام اچھا ہوجائے۔۔۔ مذہبی معاملات اچھے ہوجائیں۔۔۔ عقیدہ اچھا ہوجائے۔۔۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کے احکامات ادا ہوجائیں۔۔۔ نماز، جمعہ، عیدین کے موقع پر پہنے جانے والے لباس پاک صاف ہوجائیں۔۔۔ نکاح، طلاق، وراثت، لین دین نجی حد تک درست ہوجائیں۔۔۔ لیکن زندگی کے دیگر اجتماعی نظام اسی طرح چلتے رہیں جس طرح چل رہے ہیں۔ معاشی و اقتصادی معاملات، سیاسی و سماجی معاملات، تعلیمی و ثقافتی معاملات الغرض جملہ نظام ہائے زندگی اور معاشرے کے بقیہ تمام لباس مفاداتی، طاغوتی اور لادینی قوتوں کے زیراثر ہی پروان چڑھتے رہیں۔ ہم نے اس طرز فکر و عمل سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ دین کے صرف ایک جز یعنی مذہبی معاملات کو اچھا کرنا چاہتے ہیں جبکہ دین کے بقیہ اجزاء جس میں معیشت، سیاست، تعلیم، ثقافت الغرض زندگی کا ہر شعبہ شامل ہے ان تمام کو اپنی خواہشات و مفادات کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمہ جہتی تبدیلی کس طرح ممکن ہے؟

ان حالات میں ہمیں اپنے طرز عمل پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ معاشرے میں ایسی ہمہ جہتی تبدیلی کس طرح ممکن ہوگی کہ معاشرے کے تمام لباس پاک ہوجائیں۔ اس کے لئے ایک اصول ذہن نشین رہے کہ پورے معاشرے میں کوئی نظام اس وقت تک سنور نہیں سکتا جب تک اس معاشرے کا سیاسی نظام پاکیزہ نہیں ہے۔ ملک کی معیشت، اقتصاد، کاروبار، تجارت، ٹیکس، دفتروں کا نظام، لین دین، کاروبار، تجارت المختصر جو بھی نظام ملک میں ہیں، ان کے کماحقہ فوائد سے عوام مستفید نہیں ہوسکتے اگر ملک کا سیاسی نظام اور اقتدار بددیانت لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ خالی مسجدوں میں سو سال وعظ و تقریر سنتے رہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہیں، توبہ کرتے رہیں اور آنسو بہاتے رہیں، اس سے ملک کا نظام خودبخود درست نہ ہوگا۔ از خود کسی بھی معاشرے کے اندر کوئی نظام درست نہیں ہوسکتا جب تک اس کی اصلاح اوپر سے نہ ہو۔ تہذیب و ثقافت کی ہی صورت حال پر غور

کرلیں، آج میڈیا کی بے لگام آزادی اس قوم کے بچوں، بچیوں کو مسلسل بے دین بنارہی ہے، فحاشی و عریانی سکھارہی ہے۔ کیا وعظ سننے اور وعظ کرنے سے یہ فحاشی و عریانی بند ہوجائے گی۔ وعظ تو مسجدوں میں ہورہا ہے جبکہ ٹی وی تو گھروں میں چل رہا ہے۔ ہماری زندگی دو رخ پر چل رہی ہے، مسجدوں میں آئیں تو اللہ کی بات سن کرتھوڑی دیر توبہ کرلیں، اللہ کا خوف دل میں پیدا کرلیں اور جب گھر میں جائیں تو وہاں فیملی اور بچوں کا نظام ہی الگ ہے۔ جب دن رات تسلسل کے ساتھ حکومتی سطح پر سیاسی دباؤ کے تحت فحاشی پھیلائی جائے گی، بدمعاشی پھیلائے جائے گی، ڈاکہ زنی کے غیر اخلاقی طریقے سکھائے جائیں گے تو دودھ پیتے بچوں کے ذہن پر بھی آہستہ آہستہ یہی چیزیں ثبت ہونا شروع ہوجائیں گی۔ بالآخر یہی اس کی سوچ وفکر اور تصورات ہوں گے جنہیں وہ بعد ازاں اپنے دوستوں کے ساتھ Share کریں گے۔ یاد رکھیں! یہ خرافات اور فرسودہ روایات و نظام محض وعظ ونصیحت اور خطابات سے ختم نہیں ہوں گے۔ نظام کی اصلاح کے لئے قرآن مجید کا فلسفہ بھی یہ نہیں ہے۔

برائیاں دوقسم کی ہوتی ہیں:

۱۔ کچھ برائیاں ایسی ہوتی ہیں جو کسی حکومتی، مقتدرہ کے دباؤ کے بغیر پیدا ہوتی ہیں۔ یہ انسان کے ذاتی گناہ ہیں۔ اس کے پیچھے نظام کا دباؤ نہیں۔ ایسے گناہ نیک مجلس میں آنے سے دھل جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ وصلحاء کی نیک مجلس میں آئیں گے، خطاب سنیں گے، تربیت پائیں گے، قرآن مجید پڑھیں گے تو ان چیزوں سے کسی حد تک کچھ لوگوں کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

۲۔ برائیوں اور گناہوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ کچھ گناہ و برائیاں ملک میں رائج نظام کی وجہ سے فروغ پاتے ہیں اور نظام ان گناہوں اور برائیوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ مثلاً فحاشی و عریانی کا فروغ، معاشی عدم استحکام، رشوت و سفارش، کرپشن، بددیانتی، معاشرتی استحصال وغیرہ۔ ان منظم اور گھناؤنے جرائم کی بناء پر تسلسل سے لوگوں کا اللہ پر سے اعتقاد بھی اٹھ رہا ہے، ایمان متزلزل ہورہا ہے، دین اور ایمان کی قدریں ختم ہورہی ہیں، امت بے حس و بے ضمیر بن رہی ہے، اسے بے ضمیر و بے غیرت کیا جارہا ہے۔ ان تمام سازشوں کے پیچھے باطل نظام کا دباؤ ہے، سیاسی قوتوں کا دباؤ ہے جن کے مفادات اور کاروبار اس نظام سے منسلک ہیں۔ اسی بناء پر اوپر سے نیچے تک ہمارا گھر اور اولاد بھی نظام کے دباؤ میں ہے۔ جب پورا نظام ہی باطل ہے فحاشی، عریانی بے دینی کا مرقع ہے تو ایسے نظام کے اندر خالی تبلیغ، روحانی مجلسیں، صحبتیں، وعظ وتربیت کیا کام کریں گے۔

قرآنی فلسفہ انقلاب

قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کو بیان کرتے ہوئے یہی فلسفہ بیان فرمایا:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ .

’’پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم کے چند جوانوں کے سوا (کوئی) ایمان نہ لایا‘‘۔ (یونس:۸۳)

موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھائے، اپنے عصا کو اژدھا بنایا جو جادوگروں کے سانپوں کو کھا گیا، بغل مبارک میں دست اقدس ڈالا روشن سورج کی طرح چمکنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگر اور فرعون عاجز آگئے، اللہ کے پیغمبر کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا، ان کی سچائی اور حقانیت ہر ایک پر واضح ہوگئی، ان کے کردار پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکا۔ یہ ساری چیزیں ایک طرف تھیں جبکہ باطل نظام اور فرعون کے کافرانہ نظام کا دباؤ ایک طرف تھا، جس میں قتل کروادینا، اغواء کروادینا، لوٹ مار کروادینا، جھوٹے مقدمے میں پھنسانا سب ہتھکنڈے شامل تھے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور فرعون کی

شکست کو دیکھنے کے باوجود قوم کی اکثریت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائی بلکہ چند لوگ ایمان لائے۔ اس لئے کہ وہ فرعون کے دباؤ اور ظلم و تشدد سے ڈر گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی رسالت، تمام تر معجزات اور تبلیغ سے بھی اکثریت فرعون کے سیاسی دباؤ کی وجہ سے آپؑ پر ایمان نہ لائی تو ہم جیسے یا کوئی اور اگر کروڑ بھی پیدا ہو جائیں کہ اس امت میں وہ اپنی تبلیغ، روحانیت، دلائل، خطاب اور قیادت سے اس فرسودہ نظام کے دباؤ کے مقابلے میں بھاری اکثریت کو حق کی راہ پر چلانے کے قابل ہو جائیں تو ممکن نہیں ہوگا۔ اس صورت حال میں حقیقی تبدیلی کے لئے قرآن مجید ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے باوجود فرعون کے جبر و استبداد کا پنجہ نہ ٹوٹا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. (طه: ۲۴)

''تم فرعون کے پاس جاؤ وہ (نافرمانی و سرکشی میں) حد سے بڑھ گیا ہے''۔

یعنی فرعون سے ٹکر لیں، اس لئے کہ جہاں سے سرکشی اور بغاوت جنم لے رہی ہے۔۔۔ جہاں سے کفر پیدا ہو رہا ہے۔۔۔ جہاں سے ظالمانہ دباؤ پورے معاشرے کو پامال کر رہا ہے۔۔۔ اگر اسے ختم نہیں کرو گے تو ظلم و جبر سے دبے ہوئے لوگوں کو تبلیغ کر کے کیسے اٹھاؤ گے؟ دبے ہوئے لوگوں پر تبلیغ کا اثر اسی وقت کارگر ہوگا جب اس جڑ کو کاٹو جہاں سے برائی جنم لے رہی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِ يْلَ.

''پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو: ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے (بھیجے ہوئے) رسول ہیں۔ (ہمارا مدعا یہ ہے) کہ تو بنی اسرائیل کو (آزادی دے کر) ہمارے ساتھ بھیج دے''۔ (الشعراء: ۱۶۔۱۷)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت عطا فرماتے ہی بنی اسرائیل کی آزادی کا مشن سونپا کہ بنی اسرائیل کی آزادی کی جنگ لڑو تاکہ اس قوم کو ظلم سے نجات ملے تب جاکر ایمان پھلے پھولے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ بھی کی، روحانیت کی تعلیم بھی دی۔ وعظ بھی کیا اور معجزات بھی دکھائے الغرض سب کچھ جاری رکھا مگر فرعون کے نظام کے خلاف جدوجہد بھی کی جس کے نتیجے میں ہی بنی اسرائیل کو آزادی ملی۔

اس طریقہ کار پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی مشن سپرد فرمایا۔ کائنات کے وجود سے بھی کہیں پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی پیدائش اور بعد ازاں 40 سال کی عمر مبارک تک نبوت کے بعد اگلا مرحلہ بعثت کا آیا اور آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا اعلان فرمایا۔

بعثت کے اعلان کے بعد حضور ﷺ کو رسالت عطا فرمائی گئی۔ رسالت ایک مشن سونپنے سے عبارت ہوتی ہے جبکہ نبوت وحی سے عبارت ہوتی ہے۔ اگر اللہ نے اپنے بندے سے کلام کرلیا، فرشتے کے ذریعے کلام کرلیا، وحی آ گئی تو وہ نبی ہوگیا جبکہ رسول کو ایک قوم کے حوالے سے جیسے بھی اس زمانے کے حالات ہوں مشن دیا جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو جب مشن سونپا گیا تو سورۃ المدثر کی انہی ابتداء میں مذکورہ آیات کریمہ کے ذریعہ آپ کو مخاطب فرمایا گیا۔ نتیجتاً آپ ﷺ نے ساری جھوٹی طاقتوں کے بت پاش پاش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بالادستی قائم کرنے کا علم بلند کیا اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں پر عملدرآمد کا آغاز فرماتے ہوئے معاشرے کے جملہ نظاموں کی تطہیر کے لئے سیاسی و ریاستی اقدامات کو مقدم رکھا۔

تحریک منہاج القرآن دعوت، تنظیم، تربیت

کے امور کو سرانجام دینے کے علاوہ سیاسی نظام کی تطہیر کیلئے بھی سرگرم ہے۔ اس لئے کہ ان تمام ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سیاسی نظام کے لئے جدوجہد ہوگی تو حضور ﷺ کے فیضان رسالت کی پوری اتباع ہوگی۔

صحابہ کرامؓ کا مشن اور پہچان

معاشرے اور ریاست کے جملہ امور کو راہ راست پر رکھنے اور مصطفوی فکر کے مطابق ڈھالنے کے لئے سیاسی نظام کی اصلاح کی غرض سے جدوجہد کرنا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے تعارف میں فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا. (الفتح: ۲۹)

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں‘‘۔

جو جماعت براہ راست حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت میں پروان چڑھی اور جن کا نام صحابہ کرامؓ رکھا گیا۔ ان کے انفرادی و اجتماعی کردار کا پہلا نکتہ وعنصر **محمد رسول اللہ** تھا، اس جماعت کے عقیدہ، نظریہ اور ایمان کا خمیر **محمد رسول اللہ** سے تشکیل پایا تھا۔ ’’میری ابتداء محمد ﷺ، میری انتہاء محمد ﷺ‘‘ کے مصداق ان کی ابتداء نسبت محمدی تھی اور ان کی انتہاء محمدیت میں فنا سے عبارت تھی۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان حضور ﷺ مثل شمع تھے۔ جیسے پروانے کی ساری زندگی شمع کے گرد طواف کرنے سے ہی عبارت ہے۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پوری زندگی حضور ﷺ کی ذات پاک، محبت، نسبت، اتباع اور نسبت میں فنائیت کے تصور کے گرد طواف کرتے رہنے سے عبارت تھی۔ پروانہ جوں جوں شمع کے گرد چکر لگاتا ہے، ہر چکر میں پچھلے چکر سے قریب تر ہوجاتا ہے۔ اس طرح ساری رات وہ شمع کے گرد چکر لگاتا ہے اور بالآخر وہ شمع کے شعلے میں خود کو فنا کردیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ایمانی زندگی ہر وقت آپ ﷺ کے اردگرد گھومتے رہنا اور آپ سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جانا کے مصداق تھی۔

عشق کی ایک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی تحریکی، تنظیمی، نظریاتی جدوجہد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پہلا دائرہ ان کے نظریے اور ذاتی زندگی کی ابتداء اور انتہاء کا تھا، پھر ان کی جدوجہد شروع ہوتی ہے کہ کس مقصد اور مشن کے لئے حضور ﷺ کے پروانے بنے؟ کس منزل کی خاطر وہ آپ ﷺ پر جان دینے والے اور حضور ﷺ کی ذات میں فنا تھے؟ **اشدآء علی الکفار** کے الفاظ اس حقیقت کو بیان کررہے ہیں کہ دین کے دشمنوں سے لڑنا، ان سے معرکہ آراء ہونا اور دین کی بقاء و سربلندی کے لئے باطل و طاغوتی طاقتوں سے ٹکرانا ان کی جدوجہد تھی۔ جس کے ذریعے بالآخر حضور نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں مصطفوی انقلاب کا سویرا طلوع ہوا۔

مقصد اسلام کی آفاقیت

دینِ اسلام میں سے اگر معاشرے میں ہمہ جہتی تبدیلی اور انقلاب کے تصور کو نکال دیا جائے تو بقیہ ’’اسلام‘‘ رہ جاتا ہے اور اسلام کا تعلق صرف نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے، حج اور عمرہ، زکوۃ، جنازہ، نجی مسائل، قل خوانی وغیرہ تک رہ جاتا ہے جبکہ اسلام کا مقصود ہرگز یہ نہیں ہے۔ دین اسلام کی حقیقی روح سے بے خبر نام نہاد مسلمان یا غیر مسلم اسلام کے اس کردار کو پس پشت رکھ کر

درحقیقت اسلام کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بے ضرر دیکھنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھ لیں! اسلام کے نام نہاد نام لیوا اور اغیار نمازیں نہیں مٹانا چاہتے، دنیا کی کوئی طاقت یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان نماز چھوڑ دیں۔ دنیا کے ہر ملک کے اندر مسلمان بستے ہیں اور وہاں مساجد بھی قائم ہیں اگر اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کو روکنا مقصود ہوتا تو ان ممالک میں نماز، روزہ، حج، جمعہ، عید پر پابندی ہوتی مگر ایسا نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اسلام سے خوفزدہ طاقتیں کیا مٹانا چاہتی ہیں؟ کاش رب وہ دن لائے کہ اس قوم کو میرے اس سوال کی سمجھ آجائے۔

طاغوتی طاقتیں نماز، روزہ اور عقیدہ نہیں مٹانا چاہتیں بلکہ ان کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ مسلمان سیاسی قوت بن کر نہ ابھریں۔ یہ لوگ ہر سطح پر اسلام کے سیاسی، تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی نظام سے خائف نظر آتے ہیں کیونکہ اس سے ان کے مفادات پر ایک کاری ضرب لگتی ہے۔ وہ لوگ جو عدل و انصاف، معاشی مساوات، امانت و دیانت اور تقویٰ و پرہیزگاری سے عاری ہوتے ہیں وہ کسی بھی طور کسی بھی معاشرے میں سیاسی نظام کی اصلاح نہیں چاہتے بلکہ اسے بہر طور اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر اپنے ہی پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو مدارس، مساجد، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تبلیغی اجتماعات، شب بیداریوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ ان اجتماعات میں حکمران، وزراء، سود خور سبھی شریک ہوتے ہیں۔ کلمہ گو جیسا بھی ہو بخشش، دعاؤں، ہاتھ چومنے اور فقیروں کے پاس آتا جاتا رہتا ہے۔ ہر کوئی جاتا ہے، مسلمان تو مسلمان ہندو اور سکھ بھی خواجہ اجمیر کے مزار پر جاتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے یہاں مقیم ہندو بھی اولیاء اللہ کے مزاروں کی تکریم کیا کرتے تھے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ دین اسلام کی حقیقی روح صرف ان تعلیمات پر عمل ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے صحابہ کرامؓ کی حیات کے دستور کے پہلے باب **اشدآء علی الکفار** کی عملی تصویر بن کر اس وراثتی، فرسودہ سیاسی نظام کے خلاف ڈٹ جانا ہوگا۔ آج کے دور میں دین کی غیرت کا جنازہ نکالا جارہا ہے، ہمیں اسی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جارہی ہے اگر یہ راستہ ترک کردیا گیا تو اس کے اثرات ہماری دینی زندگی اور مذہبی معمولات پر بھی مترتب ہوں گے۔ اس راہ پر چلنا دشوار ہوتا ہے اس لئے کہ دنیا کے مفادات آڑے آجاتے ہیں، مخالفتیں آڑے آجاتی ہیں، طوفان اٹھتے ہیں، کردار کشی کی جاتی ہے، الزامات و تہمات کا ایک بازار گرم ہوجاتا ہے۔ اتنی مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے چھٹتا دکھائی دیتا ہے۔ کسی کو طوفانوں سے لڑنے، تہمتیں لگوانے، گالیاں برداشت کرنے کا شوق نہیں ہوتا۔ یاد رکھیں جس شخص کو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ اگر میں نے دین کی بقاء کے لئے جنگ نہ لڑی، ملکی سالمیت، ریاستی استحکام کے لئے قدم نہ اٹھایا، قوم کے حقوق کی بحالی کی آواز بلند نہ کی تو تاریخ ہمیں معاف نہ کرے گی اور کل قیامت والے دن حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے بھی شرمندگی و رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا، وہ یہ راستہ کبھی ترک نہ کرے گا اور جس کو یہ سمجھ نہ آئی وہ اس راہ پر نہیں چل سکتا۔

لوگ تقسیم ہند سے پہلے کہتے تھے کہ سب ایک ہی قوم ہیں لہذا الگ ملک بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں نماز روزہ کی کوئی پابندی نہیں، لہذا اکٹھے رہو۔ علامہ نے اس تصور قومیت پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

وہ سمجھتا ہے اسلام آزاد تو ہے، کیا رکاوٹ ہے؟ اس نے سمجھا ہی نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ یہ بات صحابہ کرامؓ سے پوچھنے والی تھی۔ ہجرت مدینہ سے قبل یثرب سے وفد آتے اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں اسلام قبول کرتے۔ نبوت کے بعد گیارہویں سال 82 افراد کا ایک وفد آیا۔

اس میں حضرت عباس بن عبادہ انصاریؓ بھی تھے۔ وفد نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا:

حضور ﷺ! ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت عباسؓ بن عبادہ انصاری کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے میرے ساتھ آنے والے یثرب کے لوگو جو مسلمان ہونے کی درخواست کررہے ہو کیا تمہیں بیعت کا مفہوم معلوم ہے؟ لوگوں نے کہا: بتادیں، آپؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کے ہاتھوں میں بیعت کرنے کا مطلب فقط یہ ہے کہ آج کے بعد ہر باطل کے خلاف تمہاری جنگ چھڑگئی۔ (تاریخ طبری، ج۱، ص۵۶۳)

جو ظالم لوگ جابر ہیں ان کے خلاف تمہارا اعلان جنگ ہوگا، پھر تمہیں لڑنا مرنا ہوگا۔ اگر یہ سمجھتے ہو تو اب بھی فیصلہ کرلو۔ انہوں نے سن کر کہا: ہم سمجھ گئے، ہمیں یہ قبول ہے۔ اس پر اُس وفد نے اسلام قبول کرلیا اور بعد ازاں انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مدینہ تشریف لانے کی درخواست کی۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے جو دعوت دی ہے قبول کرتا ہوں مگر ایک شرط ہے، فرمایا: اگر مجھے لے جاتے ہو تو میرے لے جانے کے بدلے میں تمہیں اپنی گردنیں دینی ہونگی، مال قربان کرنے ہوں گے، اپنی عزت کی پرواہ نہ کرنا ہوگی، خون بہے گا، جانیں جائیں گی، بولو مجھے لے جانے کی خاطر جان، مال، عزت و آبرو سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہو؟

آج کے دور کا کوئی شخص ہوتا تو وہ کہتا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد نماز، روزہ، حج وغیرہ ادا کریں گے، آپ کو لے جانے سے مزید برکت ہوگی، گردنیں کیسے کٹیں گی؟ مگر انہوں نے یہ سوال نہ کیا، عرض کیا: حضور ﷺ ہمیں یہ سب کچھ منظور ہے، آپ آجائیں ہم جانیں دیں گے، عزت دیں گے، مال دیں گے جس شے کی ضرورت ہوگی حضور ﷺ آپ کے حکم پر سب کچھ آپ پر لٹادیں گے۔ جب انہوں نے یہ سوال قبول کرلیا تو حضور ﷺ نے بھی ان کی دعوت قبول فرمالی اور بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے حکم پر مدینہ ہجرت فرمائی۔ وہ لوگ جانوں کا سودا کرکے حضور ﷺ کو لے گئے۔ انقلابیت اور باطل سے ٹکرا جانے کے اس عنصر کو قرآن نے **اشداء علی الکفار** کے ذریعے بیان فرمایا۔

آج ہمارا دو طرح کے دشمن سے سامنا ہے:

۱۔ واضح دشمن ۲۔ چھپا دشمن

واضح دشمن اسلام مخالف قوتیں ہیں، جو اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بناتی ہیں۔ جیسے کوئی درندہ سامنے آکر حملہ کرتا ہے۔ چھپا دشمن سانپ اور بچھو کی طرح حملہ کرتا ہے، جس طرح یہ سوراخ میں چھپ کر رہتے ہیں، کسی بھی وقت آکر ڈس لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر دین سے منافقت کرنے والے اندر کے سانپ اور بچھو ہیں۔ یہ دین کو سانپ اور بچھو کی طرح ڈس رہے ہیں۔ آج ملک وقوم پر ان سانپ بچھوؤں نے بصورت کرپٹ سیاسی نظام اور اس نظام کے محافظین کی صورت قبضہ کررکھا ہے۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے 18 کروڑ عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کررکھا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک وقوم کے تحفظ اور دین اسلام کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے یکسو و یکجاں ہوجائیں اور آئینی و قانونی تقاضوں کے مطابق ان تمام قوتوں کا قلع قمع کرنے کے لئے نعرہ مستانہ بلند کریں۔ کردارِ صحابہ کرامؓ سے روشنی و خیرات لیتے ہوئے حقیقی معنوں میں اسلام کے احیاء اور تجدید دین کا فریضہ سرانجام دیں۔ اس کے لئے سیاسی نظام کی اصلاح کرنا ہوگی۔۔۔ مروجہ غیر آئینی و غیر قانونی ضابطوں کو رد کرنا ہوگا۔۔۔ اور **وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ** کو حقیقی معنی دیتے ہوئے معاشرے کے جملہ لباسوں کی تطہیر کا فریضہ سرانجام دینا ہوگا۔

❁❁❁❁❁

ایمان، یقین اور اطمینانِ قلب

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ. (مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان، ۱:۶۹، رقم:۴۹)

''تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ (یعنی عملی جدوجہد) سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو اپنی زبان سے (تنقید و مذمت کے ذریعے) روکے اور اگر اپنی زبان سے بھی روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو (کم از کم اس برائی کو) اپنے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

شرح و تفصیل

ایمان، نورِ یقین کی اس حسین و دلنشین کیفیت کا نام ہے جو اگر دل کے ویرانے میں جلوہ گر ہوجائے تو اسے اجالوں سے معمور کردیتی ہے اور اگر سینے کے سونے بن میں مہک اٹھے تو چنبے کی بوٹی کی طرح اسے شگفتہ اور بہار آفرین گلستانوں میں تبدیل کردیتی ہے۔ دل کے چمن میں کھلنے والے یقین کے یہ سدا بہار، عنبر بار پھول اتنے دلآویز ہوتے ہیں کہ شکوک و شبہات کے کانٹے ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتے اور اگر ان کی شاخوں کے ساتھ چمٹنے کی کوشش بھی کریں تو ان کے نزدیک آتے ہی اپنا تیکھا پن کھودیتے ہیں اور خونخوار جارحانہ انداز بھول کر حریر بن جاتے ہیں۔

یہ ایمان کا وہ اعجاز ہے جو انسان کو عزم و یقین کی لازوال دولت سے مالا مال کردیتا ہے اور ایماندار شخص یہ محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ اس کے ننھے سے دل میں قوت و طاقت کی ایسی زبردست رو پیدا ہوگئی ہے جس نے اسے ناقابل تسخیر بنادیا ہے اور ایسا آہنی عزم عطا کردیا ہے کہ وہ کسی کی شوکت و حشمت کو خاطر میں لائے بغیر اس سے ٹکرا سکتا ہے۔ چٹانوں کا غرور توڑ سکتا ہے، طوفانوں کا رخ موڑ سکتا ہے اور سمندروں کے سینے پر اپنی راہیں بنا سکتا ہے۔ اسے یہ راز معلوم ہوجاتا ہے کہ رفعتیں اس کے لئے مقدر کردی گئی ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

''اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو''۔ (آل عمران:۱۳۹)

مذکورہ حدیث مبارکہ میں جرأت و رفعت عطا کرنے والے اس ایمان کے تین درجات بیان کئے گئے ہیں۔ جس درجے کا کوئی شخص ہو اسی کے مطابق اسے روحانی مقام و مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایمان کے تین

درجات ہیں اور مومن کے دل میں کسی برائی کے خلاف پیدا ہونے والے ردعمل کی کیفیت سے ان کا تعین ہوتا ہے مثلاً

۱۔ بدی کی حکمرانی، شر کی قوت اور منکرات کو پھلتا پھولتا دیکھ کر اگر مومن کے دل میں ردعمل (Reaction) کے طور پر حق کی حمایت میں غیظ و غضب پیدا ہو اور وہ طاغوتی قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے میدان میں آجائے اور باطل پرستوں کی بے پناہ طاقت، ان کی شر انگیزی اور منظّم غنڈہ گردی سے مرعوب نہ ہو تو یہ اعلیٰ درجے کے ایمان کی علامت ہے۔

۲۔ اور اگر شر کو غالب دیکھ کر اسے مسلح جدوجہد کرنے اور برائی کو قوتِ بازو سے مٹانے کی جرأت نہیں ہوتی یا اسے اس مقصد کے لئے صورت حال موزوں نظر نہیں آتی اس صورتِ حال میں وہ اپنی جدوجہد کو صرف باطل کے خلاف آواز اٹھانے، اس کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے اور ظالموں کے سامنے کلمہ حق ادا کرنے کا فریضہ انجام دینے تک ہی محدود رکھتا ہے تو یہ دوسرے درجے کے ایمان کی علامت ہے۔

۳۔ اور اگر صورت حال اتنی ابتر ہے اور شر و فساد اس حد تک غالب ہے کہ مومن کے لئے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا ممکن نہیں اور زبانی جہاد کے مواقع بھی معدوم ہیں، منکرات اور برائیوں کی طویل ریل پیل دیکھ کر دل میں کڑھنے اور ان سے نفرت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تو یہ تیسرے درجے کے ایمان کی علامت ہے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

ایمان کے تین درجات کے نام

ایمان کے ان درجات کے درج ذیل نام ہیں:

۱۔علم الیقین ۲۔عین الیقین ۳۔حق الیقین

جب تک انسان علم الیقین کے درجے میں ہو تو اس کے ایمان کی کیفیت مستحکم نہیں ہوتی۔ اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اہل باطل اسے اپنی چکنی چپڑی باتوں، پُر فریب و من گھڑت دلیلوں اور خود ساختہ تاویلوں سے ورغلا سکتے ہیں۔ وہ جعلسازوں کے بچھائے ہوئے دام ہمرنگ زمین میں آسانی سے پھنس کر ان کا اثر قبول کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے۔

عین الیقین کے درجے میں اس کے ایمان میں مضبوطی اور قوت آجاتی ہے وہ لازوال حقائق کو اپنی آنکھوں کے سامنے بے حجاب دیکھ کر اور سربستہ اسرار کا مشاہدہ کرکے، شکوک و شبہات کی بدولت بے یقینی کی دلدل میں پھنسنے کے خطرے سے محفوظ ہوجاتا ہے اور اہل زیغ کے لئے ممکن نہیں رہتا کہ اسے بھٹکاسکیں اور مشاہدے کی بدولت حاصل ہونے والی ایمان کی قوت زائل کرسکیں۔

حق الیقین کے درجے میں خود اس کی ذات پر واردات طاری ہوتی ہیں۔ وہ صرف مشاہدہ ہی نہیں کرتا بلکہ آزماتا بھی ہے بذات خود اس مرحلے (Process) سے گزرتا ہے، اسے اطمینان کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جہاں کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ تمام وساوس و خطرات اور شکوک و شبہات اس منزل سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور مومن اسرار کی اس دنیا میں داخل ہوجاتا ہے جہاں حقائق خود بولتے ہیں۔ چند مثالوں سے ان درجات و کیفیات کی وضاحت کی جاتی ہیں۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جسے سب سے آخر میں، دوزخ سے نکالا جائے گا وہ باہر آکر دوزخ سے کہے گا، رب کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ سے نجات دی۔

پھر عرض کرے گا: یااللہ! دوزخ کا منظر بہت خوفناک ہے، اسے میری نظروں سے اوجھل کردے اور جنت کا منظر دکھادے۔

چنانچہ دوزخ اوٹ میں چلی جائے گی اور جنت اپنی تمام تر رعنائیوں اور دائمی بہاروں کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ وہ باغ جنت کا شاندار

منظر دیکھ کر باغ باغ ہوجائے گا۔ پھر ایک موقعہ پر عرض کرے گا: یااللہ! مجھے اس جنت کے قریب کردے تاکہ میں اس کے مناظر دیکھ سکوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: اے بندے تو اس کے بعد اور سوال داغ دے گا؟ بندہ عرض کرے گا میرے پاک معبود! نہیں، میں اس کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ وہ پکے عہد و پیمان کرکے جنت کے قریب چلا جائے گا۔ ایک موقعہ پر پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجائے گا اور عرض کرے گا۔ یا اللہ! مجھے جنت کے دروازے تک پہنچادے، اس کے سوا کچھ نہیں مانگوں گا۔

ارشاد ہوگا: تو نے پہلے وعدہ کیا تھا کہ مزید سوال نہیں کروں گا۔ وہ عرض کرے گا: مالک! بس یہ سوال پورا کردے اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ وہ از سرنو، عہد و پیماں کرے گا اور اسے جنت کے دروازے کے قریب کردیا جائے گا۔ وہ جنت کے لہلہاتے درخت، چہکتے پرندے، بہتی نہریں، خوش رنگ پھول، خوشبو کے جھونکے، زمردیں سبزہ، لٹکتے ہوئے پھل، دودھ وشہد کی نہریں، نفیس کھانے، خوبصورت مکین اور حسین ترین ماحول دیکھ کر پھر بے قرار ہوجائے گا اور عرض کرے گا: یا اللہ! مجھے جنت میں داخل کردے۔ ارشاد ہوگا: بندے تو نے تو کچھ اور نہ مانگنے کا پکا وعدہ کیا تھا۔

بندہ اپنے رب کی رحمت پر ناز کرتے ہوئے عرض کرے گا: میرے اللہ! جنت میں داخل نہ ہونا تو بڑے بدبختی ہے۔ ان نعمتوں کو دیکھ لینے کے بعد ان سے محروم رہنا نہیں چاہتا۔ لہذا میری ذات سے بدبختی کے آثار مٹادے اور مجھے اس میں داخل کردے۔ اپنے بندے کی اس گذارش اور حسن طلب پر، مالکِ حقیقی خوش ہوگا، بندے کے لاڈ پیار اور عاجزانہ اصرار پر ہنسے گا (اپنی شان کے لائق) اور محبت سے فرمائے گا:

اے ابن آدم! تجھے صبر نہیں آئے گا، آ، ہم تجھے نوازتے ہیں۔ پھر اسے جنت میں داخل کردیا جائے گا اور حکم ہوگا کہ جس جس چیز کی خواہش ہے مانگ لو! وہ اپنی بساط کے مطابق مانگے گا مگر اسے دنیا سے بھی دگنی یا دس گنا جنت عطا کردی جائے گی اور وہ اس میں سکونت پذیر ہوجائے گا۔

جنت، ایمان کے تینوں درجات کی مثال اس طرح بنتی ہے کہ پہلے اس شخص کا علم جنت کے بارے میں صرف علم الیقین کی حد تک تھا، جب اس نے مناظرِ جنت کو دیکھ لیا تو اسے عین الیقین حاصل ہوگیا اور جب وہ اس میں چلا گیا تو اسے حق الیقین حاصل ہوگیا۔

2۔ ایمان کے ان درجات کی دوسری مثال مرنے کے بعد جینے کی ہے۔

ا۔ سر دست، سب کا علم، علم الیقین کی حد تک ہے کہ ہم میں سے ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مقتول کو زندہ کیا گیا تھا جس نے اپنے قاتل کی نشان دہی کی تھی۔ جن لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے زندہ ہوتے دیکھا تھا انہیں عین الیقین حاصل ہوگیا۔

۳۔ جب لوگ خود مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے تو انہیں حق الیقین حاصل ہوجائے گا۔

عین الیقین اور حق الیقین کی برکت سے انسانوں کو اطمینان قلب نصیب ہوجاتا ہے۔ وہ سینے میں سکون و قرار محسوس کرنے لگ جاتے ہیں اور ان کے دل میں نور کی ایک ایسی شمع روشن ہوجاتی ہے جو انہیں شکوک و شبہات کی تاریکیوں سے نکال کر، صدق و یقین کے اجالوں میں لے آتی ہے اور عزم نو عطا کرتی ہے۔

اطمینان قلب کی اہمیت

چونکہ اطمینانِ قلب، عالمِ قدس کا نور ہے جو ذوقِ یقین پیدا کرتا اور ایمان کو تازگی بخشتا ہے۔ اس لئے اہل اللہ اسے بہت اہمیت دیتے ہیں اور ایسے عجیب و

غریب، حیرت انگیز اور مظہرِ قدرت کرشموں کے مشاہدے کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان کے اس ذوق کی تسکین کریں۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلب اطہر میں اسی قسم کا خیال پیدا ہوا۔

ہوا یوں کہ آپ ساحل سمندر کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ایک حیرت انگیز منظر نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ایک بہت بڑی چٹان نما مردہ مچھلی وہاں ریت میں دھنسی ہوئی تھی۔ ممکن ہے وہیل یا شارک ہو۔ سمندر میں مدو جزر کے موقعہ پر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مچھلیاں پانی کی لہروں کے ساتھ واپس نہیں جاسکتیں اور ریت میں پھنس کر مرجاتی ہیں، کچھ ایسا ہی واقعہ اس مچھلی کے ساتھ پیش آیا تھا، اب اس مردہ مچھلی کے اردگرد، فضائی مردار خور پرندے اور زمینی درندے، منڈلا رہے تھے اور نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں پھر پانی کی لہر آئی اور سمندر کی مچھلیاں بھی اس مردہ مچھلی کے گوشت پر ٹوٹ پڑیں اور پھر پانی کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ صورت حال یہ بن گئی کہ وہ مردہ مچھلی ہزاروں پیٹوں میں چلی گئی اور ہواؤں، فضاؤں پانیوں اور میدانوں میں بکھر گئی، اسے زمینی درندوں نے بھی کھایا، سمندر کی مچھلیوں نے بھی نوچا اور ہوائی پرندوں نے بھی اس کے گوشت سے پیٹ بھرا۔

یہ عجوبہ روزگار منظر دیکھ کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب مرنے کے بعد صور پھونکا جائے گا اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا تو اس مچھلی کے زندہ ہونے کا منظر بڑا عجیب ہوگا۔ حکم ربانی سے اس کے تقسیم شدہ اعضاء مختلف پیٹوں اور جگہوں سے نکل کر، فضا میں پرواز کرتے ہوئے آئیں گے اور اس کے ڈھانچے کے ساتھ پیوست ہوجائیں گے۔ اس تصور نے آپ کے دل میں یہ شوق پیدا کردیا کہ دنیا ہی میں یہ منظر دیکھنا چاہئے، چنانچہ بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

اے میرے رب! مجھے یہ منظر دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ رب تعالیٰ کا فرمان ہوا:

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ ''کیا تجھے یقین نہیں''؟

عرض کی: مجھے یقین تو ہے میں تو صرف اطمینان قلب کے حصول کے لئے یہ عرض کررہا ہوں۔

حکم ہوا، اے ابراہیم! چار پرندے لے کر پالو، انہیں عرصہ تک اپنے پاس رکھو تاکہ وہ مانوس ہوجائیں اور آپ بھی انہیں پہچاننے لگ جائیں۔ پھر آپ انہیں ذبح کرکے گوشت کا قیمہ بنائیں۔ سب کی ہڈیاں تک پیس ڈالیں، پھر قیمہ اور ہڈیاں آپس میں اس طرح ملادیں کہ سارا آمیزہ یکجان ہوجائے، اس کے بعد قیمے کے اس ڈھیر کے کئی حصے کرلیں اور ہر حصہ الگ الگ پہاڑ پر رکھ دیں۔ پھر ان پرندوں کو آواز دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ نے انہیں پکارا تو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہر پہاڑ سے قیمے کے ڈھیر بلند ہوئے اور فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے آپ کے قریب پہنچے، اور آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے الگ الگ ہوئے ہر پرندے کے اجزا اس کے ساتھ جڑے، ہڈیاں بنیں، ان پر گوشت چڑھا، پھر پر نمودار ہوئے اور آن کی آن میں وہ زندہ ہوکر محو پرواز ہوگئے۔

رب قدیر کی قدرت کا یہ شاندار نظارا دیکھ کر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا ایمان تازہ ہوگیا اور اطمینان قلب کا وہ حسین وجمیل مقصد پورا ہوا جس کے لئے آپ نے یہ درخواست کی تھی۔

ایمان کا پھیلاؤ

یہ ایک نظر آنے والی حقیقت ہے کہ عبادت کا نور چھپا نہیں رہتا بلکہ اجالا بن کر، سپیدۂ سحر کی طرح عابد کے چہرے سے جھلکنے لگتا ہے اور اس کے رخ تاباں کو اتنا دلکش بنادیتا ہے کہ جو ایماندار اسے دیکھتا ہے وہ اسی کا ہوکر رہ جاتا ہے اور بے اختیار اس سے پیار کرنے لگتا ہے۔ وجہ

یہ ہے کہ جب نورِ ایمان، حقیقت بن کر دل کے نہاں خانے میں جلوہ گر ہوتا ہے تو پھر دل کی وسعتوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ جسم کے دوسرے اعضاء کو بھی منور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ نفسانی خواہشات دبتی ہیں تو یہ تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے، یہاں تک کہ عارضِ تاباں اور رخِ زیبا کا ہالہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت گزار ایماندار کے چہرے میں بے پناہ جاذبیت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ نور رب تعالیٰ کی یاد، خلوص و محبت اور عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جو اسے دیکھتا ہے اسے بے اختیار اللہ یاد آجاتا ہے۔ اس لئے اولیاء اللہ کی ایک علامت بیان کی گئی ہے کہ جب ان کی زیارت کی جائے تو اللہ یاد آتا ہے۔

اسی نور کو شرحِ صدر بھی کہا گیا ہے۔ جب مرد مومن کو شرح صدر کی یہ دولت عظمیٰ نصیب ہوتی ہے تو وہ عام ایمانداروں سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. ((الزمر: ۲۲)

’’بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہوجاتا ہے، (اس کے برعکس) پس اُن لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کے ذکر (کے فیض) سے (محروم ہوکر) سخت ہوگئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں‘‘۔

یہ نور، عبادت و ریاضت، نماز، روزے کی پابندی اور صدقات و خیرات اور دوسرے نیک اعمال کی بدولت بتدریج حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی کو سال، کسی کو دس سال، کسی کو پچاس سال اور کسی کو زندگی کے آخری لمحات میں میسر آتا ہے۔ یہ اپنے اپنے نصیب اور قابلیت کی بات ہے۔ کسی اللہ کے بندے کی صحبت اور سنگت اس مقصد کے لئے تریاق ہے۔ کبھی پل بھر میں یہ نعمت عظمیٰ عطا کر دیتی ہے اور صدیوں کا سفر لمحوں میں طے ہوجاتا ہے، اسی لئے قرآن پاک نے ان کی سنگت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو‘‘۔ (التوبہ: ۱۱۹)

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

❁❁❁❁❁

منہاجینز متوجہ ہوں!

جملہ منہاجینز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ نظامت امور خارجہ کو اپنی بیرون ملک تنظیمات کے لئے سکالرز کی فوری ضرورت ہے جو احباب درج ذیل شرائط پر پورا اترتے ہوں وہ مورخہ 20 اپریل تک اپنے کاغذات مرکزی سیکرٹریٹ میں نظامت امور خارجہ تحریک منہاج القرآن میں جمع کروا دیں۔

i۔ مکمل CV ii۔ الشھادۃ العالمیہ (منہاج القرآن انٹرنیشنل یونیورسٹی) iii۔ پاسپورٹ سائز تصویر
vi۔ فوٹو کاپی میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے (تصدیق شدہ) v۔ کمپیوٹر میں صلاحیت ہو
vi۔ پاسپورٹ فوٹو کاپی (کم از کم دسمبر 2013ء تک Valid) vii۔ اچھا مقرر ہو، نعت خواں ہو
viii۔ انگلش اور عربی لینگویج میں مہارت ix۔ IELTS (تمام کورسز میں کم از کم 5.5 بینڈ) والوں کو ترجیح
x۔ حافظ قرآن کو اضافی نمبر دیئے جائیں گے

منجانب: نظامت امور خارجہ تحریک منہاج القرآن 042-111-140-140

الفقہ

آپ کے دینی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

سوال: کیا بٹائی پر زمین دی جاسکتی ہے۔ اگر جائز ہے تو کن شرائط پر جائز ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ زمین کا مالک یا خود کاشت کرے یا کسی دوسرے ضرورت مند بھائی کو مفت کاشت کے لئے دیدے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینا جائز نہیں لیکن بعض صورتوں میں مجبوری ہوتی ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ پس صاحبین (امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بٹائی پر زمین دی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک مزارعت کے جواز کے لئے آٹھ شرائط ہیں:

۱۔ زمین قابل کاشت ہو

۲۔ مالک و مزارع اہل عقد ہوں

۳۔ مدت بیان کی جائے

۴۔ یہ بات واضح کی جائے کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا؟

۵۔ جس کے ذمہ بیج نہیں اس کے حصہ کی وضاحت

۶۔ مالک زمین مزارع کے سپرد کردے اور اپنا عمل دخل یا تصرف نہ کرے

۷۔ پیداوار حاصل ہونے پر اس میں شرکت، مقرر حصہ

۸۔ بیج کی جنس کا تعین، کیا بوئے گا؟ (ہدایہ، ۴:۳۶۰)

ہمارے علمائے احناف کا فتویٰ صاحبین پر ہے

البتہ یہ یاد رہے کہ آج کل کی زمینداری اور جاگیرداری کی بنیاد کسی اصول عدل پر نہیں سراسر ظلم پر ہے۔ ظالم حکمرانوں نے مخالف حریت پسند عوام سے زمین چھین کر اپنے پسندیدہ لوگوں میں بطور رشوت تقسیم کی ہے۔ نہ وہ حکمران اس کے جائز مالک تھے نہ اس بندر بانٹ کے مجاز لہٰذا اس زمینداری و جاگیرداری کا صورت جواز سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سراسر ظالمانہ و غاصبانہ دست برد کا نتیجہ ہے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے نہ صاحبین کے نزدیک۔

مسلک صاحبین کے مطابق صرف وہ مزارعت جائز ہے جو غضب ونہب سے پاک ہے اور شرعی اصولوں پر مبنی ہو۔

سوال: اگر دو افراد سرمائے سے کاروبار شروع کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ماہ نفع ونقصان کی شراکت کی بجائے ایک فریق اگر یہ کہے کہ اتنی رقم ہر ماہ اوسطاً دے دیا کرو چاہے تمہیں فائدہ ہو یا نقصان، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: صورت مذکورہ میں کاروبار جائز نہیں۔ سرمایہ دونوں کا برابر ہے۔ اگر ایک فریق وقت یا محنت زیادہ کرے تو اس حساب سے اسے اضافی رقم دینا جائز ہے۔

اگر دونوں نے سرمایہ بھی برابر لگایا اور وقت بھی برابر صرف کیا یا محنت بھی برابر ہے تو محض تناسب سے متعین رقم کو دینا اور اس کی شرط لگانا ہرگز شرعاً جائز نہیں۔ اس صورت میں صرف نفع و نقصان میں برابری کی بنیاد پر کاروبار کرسکتے ہیں۔ بالفرض کاروبار میں نقصان ہوجاتا ہے تو دوسرا حصے دار کس بنیاد پر مخصوص رقم لے گا؟ یہ تو خالص سود ہے اور شریک کاروبار پر ظلم لہذا ناجائز و حرام ہے۔

سوال: اسلامی تعلیمات کی رو سے خواتین کے حجاب بارے وضاحت فرمادیں؟

جواب: دونوں ہاتھ کلائیوں تک، دونوں پاؤں ٹخنوں تک اور چہرہ پردہ میں داخل نہیں۔ باقی تمام جسم، عاقلہ، بالغہ عورت کا قابل ستر ہے خواہ چادر سے کرلے یا برقعہ سے یا کسی اور شے سے۔ گاؤں میں ہو یا شہر میں، کام کھیتوں میں کرے یا کارخانوں میں، تعلیمی، صنعتی، تجارتی مراکز میں یا صحت کے مراکز میں، گھر میں یا باہر۔

(ہدایہ مع فتح القدیر، ۲۲۵:۱، عالمگیری، ۵۸، شامی ۴۰۶۱، البحرالرائق، ۱:۲۶)

ہمارے ہاں دو باتیں خطرناک ہیں:

۱۔ ہم دیور، جیٹھ اور کزنوں سے پردہ نہیں کرواتے جس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ ہم دفاتر، تعلیمی اداروں، کارخانوں، ملوں، تجارتی، صنعتی، سماجی اور مراکز صحت وغیرہ میں مردوں اور عورتوں کو یکجا کردیتے ہیں اور اکثر و بیشتر بیچاری عورت مردوں کے ماتحت ہوتی ہے جس سے نہ اس کی عزت نفس محفوظ نہ اس کی ملازمت محفوظ۔ مشرق و مغرب کی بہت سی قومیں مادیت پر یقین رکھتی ہیں۔ انہوں نے مرد و عورت ہر ایک کو اپنی معاشی مشین کا پرزہ بنا کر استعمال کیا تاکہ قومی پیداوار میں اضافہ ہو اور بس۔ ان کو اس سے سروکار نہیں کہ اس سے عورت کا استحصال ہوتا ہے۔ اس کی آزادی پامال ہوتی ہے۔ اسے ہوس کے شیطانی پنجوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دولت عزت و عصمت کو بیدردی سے لوٹا جاتا ہے۔

عورتیں ہر فیلڈ میں کام کریں، یہ ان کی ہمت ہے مگر عورتوں پر مردوں کو مسلط نہ کرو! عورتوں کو ان کی ہمت و خواہش کے مطابق کام کے مواقع دو۔ خواہ باغبانی ہو، زراعت ہو، ہلکی پھلکی صنعتیں ہوں، تجارت ہو، دفتر ہو، عدل و قانون ہو، تعلیم و تربیت ہو، ان کی تنخواہیں اور دیگر مراعات بھی مردوں سے کسی سطح پر کم نہ ہوں۔ اسلام نے چودہ سو سال پہلے یہ عورت کو حقوق عطا کرتے ہوئے واضح قانون دیا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ. (النساء: ۳۲)

''مردوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا''۔

ہمارے معاشرے میں بیچاری عورت ایسے ماحول میں مرد افسروں کے تحت اس طرح کام کرتی ہے جیسے سہمی ہوئی بکری درندے کے ساتھ۔ مادہ پرست قوموں نے عورت و مرد کا آزادانہ اختلاط کرکے عورت پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں۔ اسلام اس اختلاط کی اجازت نہیں دیتا کہ نوجوان دوشیزہ میک اپ کرکے سارا وقت بحثیت پرائیویٹ سیکرٹری، سٹینو گرافر، بطور کال گرل مالک و آفیسر کے سامنے مسکراتی اور دل بہلاتی رہے۔ اس سے عورت کی صلاحیتیں زنگ آلود اور عزت و آبرو خاک میں مل جاتی ہے۔ مزید یہ کہ بدقسمتی کے ساتھ اسے ہی عورت کی آزادی

کہا جاتا ہے بقول علامہ اقبالؒ

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے یہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

قرآن کریم نے اسی لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نظریں جھکانے کا حکم دیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ.

(النور، ۲۴: ۳۰. ۳۱)

’’آپ مومن مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کے لیے بڑی پاکیزہ بات ہے۔ بے شک اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو یہ انجام دے رہے ہیں۔ اور آپ مومن عورتوں سے فرما دیں کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کیا کریں سوائے (اسی حصہ) کے جو اس میں سے خود ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دو پٹے (اور چادریں) اپنے گریبانوں اور سینوں پر (بھی) ڈالے رہا کریں‘‘۔

احکام پردہ بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا:

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (النور، ۲۴: ۳۱)

’’اور تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہوکر) فلاح پا جاؤ‘‘۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کرام کے علاوہ انسان خواہ کتنا ہی متقی و ایماندار ہو نگاہیں بھٹک جاتی ہیں۔ کم یا زیادہ اس لئے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے کہ وہ غفور رحیم ہی سب کی خطائیں معاف فرمانے والا اور پردہ پوشی فرمانے والا ہے۔

❁❁❁❁❁

حرفِ نیاز

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں

منیر احمد ملک۔ مظفر گڑھ

حضور ﷺ کی بارگاہ ناز میں اس امید کے ساتھ کہ نجانے قلم کی کون سی کاوش، زباں کی کون سی لکنت، انکسار کا کون سا بول، دل کی کون سی آہ، آنکھ کا کون سا آنسو، عقیدت کے چہرے کا وضو اور ارادت کے پھول کی شبنم ثابت ہو جو آپ ﷺ کی بارگاہ ناز میں بار پا جائے۔

میرے تاجور ﷺ! تیری نذر ہیں میرے جذبِ دل کی یہ شدتیں
مرے خواب، مری بصارتیں، مری دھڑکنیں، میری چاہتیں
مرے روز و شب کے نصاب میں مرے پاس اتنا تو کچھ نہیں
ترا قرض ہے مری زندگی مرے سانس تیری امانتیں

گر قبول اُفتد۔۔

بارگاہِ محبوب ﷺ میں پیش کرنے کے لئے میرے پاس اشکِ ندامت کے سوا کچھ اور نہیں۔ نہ تو حُسنِ عمل کا زادِ راہ ہے اور نہ ہی شایانِ شان گہر ہائے عقیدت یہ گدائے بے نوا شہنشاہ ﷺ کونین کے دربار میں پیش کر بھی کیا سکتا ہے۔ ماسوا اس کے

؎ شاید کوئی آنکلے خوشبو کی تمنا میں
صحرائے محبت میں کچھ پھول کھلا جاؤں

بارگاہ بیکس پناہ میں یہ حقیقت عرض کرنے کا اذن عطا ہو جس سے آپ بخوبی آشنا ہیں کہ آنسو بیانِ غمِ دل اور متاعِ تسکینِ جاں ہوا کرتے ہیں۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں اور محبت ہی وہ امرت ہے جو جذبے کو اظہار کا خوبصورت پیراہن عطا کرتی ہے۔ آنسو محبوب کی یاد کے کس قدر قریب ہوتے ہیں یہ کوئی دلِ عشاق سے پوچھے۔ عقیدت کی شبنم آپ ﷺ کے حضور کیوں گوہر نواز ہونے لگتی ہے۔ یہ کوئی روح میں اُترے ہوئے ہجر کے تیکھے کانٹے کی چُبھن سے ادراک کرے آپ کے حُسنِ تصور کے آبگینوں سے باوضو ہو کر پلکیں کیوں پائے اقدس کے بوسے لینے لگتی ہیں۔ آپ کی یاد کے آنے سے آنکھوں کے جھرنے کیوں بہہ نکلتے ہیں۔ آپ کے ذکرِ جمیل کی خوشبو سے آنکھیں کیوں بے اختیار چھلک اٹھتی ہیں؟ آپ کا اسم گرامی لب پہ آتے ہی تمام جسم کا پانی نذر کردید کی پیاسی آنکھ سے کیوں رم جھم برسنے لگتا ہے۔ میرے فکر کی نارسائی یہاں تک ہے کہ آپ کی محبت کے اس مُنہ زور سوتے کی متحمل صرف اور صرف مشتاقِ دید آنکھ ہی ہوسکتی ہے۔ آنسو جس کی صدف کے موتی ہوتے ہیں۔ ان آنسوؤں میں وہ انبساط اور جلن میں وہ ٹھنڈک ہوتی ہے کہ اک کیفِ سرمدی سا محسوس ہوتا ہے۔ جسے لفظوں میں بیاں کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ آنسو تشکر و امتنان کا اظہار بھی ہوتے ہیں اور تحدیثِ نعمت کا اقرار بھی

غمِ فراقِ نبی میں جو اشک بہتے ہیں
اُن آنسوؤں کو متاعِ حیات کہتے ہیں
نہ پوچھ ٹوٹے ہوئے دل کی آبرو کیا ہے
سنا یہ ہے کہ وہ ﷺ ٹوٹے دلوں میں رہتے ہیں

آنکھیں عقیدت و ارادت کے آنسوؤں سے وضو کرنے لگتی ہیں اور دیر تلک عشق و محبت کے ستارے پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر دامن میں نور بھرتے رہتے ہیں۔

ے یہ قلب وجگر یہ فکر ونظر کیا میں ان کی نذر کروں
پاس مرے اشکوں کے علاوہ اور کوئی سوغات نہیں

اگرچہ میرے دامن میں عقیدت کے وہ پھول اور آنکھوں میں ارادت کے وہ ستارے نہیں جو سید الکونین ﷺ کی شان کے شایاں ہوں۔ پھر بھی

ے تیری رحمت سے الٰہی پاس یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں اُن کے دامن کیلئے

باعثِ صد رشک ہے وہ دل۔۔۔ جو حبیبِ کبریا ﷺ کی یاد میں دھڑکتا ہو۔۔۔ باعث صد آفریں ہے وہ زباں۔۔۔ جس کے لئے حضور ﷺ کا اسم گرامی درود کی حیثیت رکھتا ہو۔۔۔ وجہ صد افتخار ہے وہ دماغ۔۔۔ جس میں خوشبوئے فکرِ محمد بستی ہو اور عرش مقام ہے وہ قلم۔۔۔ جو سینۂ قرطاس پہ مدحت رسول ﷺ کے موتی بکھیرتا ہو۔

میرے لفظوں میں خوشبو بسی آپ ﷺ کی
آپ ﷺ سے میرے شعروں کی وابستگی
آپ ﷺ ہیں میرے احساس کی تازگی
میرے افکار کی روشنی آپ ﷺ ہیں
آپ ﷺ کی یاد سے دل کو راحت ملے
آپ ﷺ کے ذکر سے دل کا غنچہ کھلے
آپ کا نام ہے جن کے وردِ زباں
اُن کا سرمایہ زندگی آپ ﷺ ہیں
دلِ عالم کے دلنواز ﷺ!

آپ ﷺ کا اسم گرامی لب پہ آتے ہی آپ ﷺ کی نظرِ کرم کے طفیل ہے۔ آپ ﷺ کا ذکر اور دامن رحمت کی طرف کھچاؤ جہاں آپ ﷺ کی ذرہ نوازی ہے وہاں اک ایسا احساں بھی ہے جس کے مقابلے میں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔۔۔

جب کوئی کسی کو یاد کرتا ہے، یاد رکھتا ہے، دل میں سجاتا ہے، نگاہوں میں بساتا ہے۔ روح میں سموتا ہے۔ جان میں گھلاتا ہے تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ کوئی سبب ہوتا ہے۔ کوئی نسبت ہوتی ہے۔ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ بات تعلق کی ہے۔ لطف و عطا کی بارش اِس کے بغیر نہیں ہوتی۔

اگرچہ آپ ﷺ میرے دل میں بستے ہیں۔ پھر بھی یہ آرزو ہے کہ اس کی دھڑکنوں میں اٹھتے ہوئے جذب و شوق کے طوفانوں کا رخ آپ ﷺ کے مہر و وفا کے ساحل کی طرف موڑ دوں، اپنے قلب کی پہنائیوں میں تڑپتی ہوئی امنگوں کو عقیدت کی راہ دکھادوں، پیاسی نظروں میں آپ ﷺ کی دید کے سلگتے ہوئے ارمانوں کو محبت کی زباں دے دوں۔ تمنا ہے کہ اپنے جذب دروں کے سارے درد کو آپ کی مئے الفت کے ایاغ میں انڈیل دوں۔

گرے تھے ہجر میں موتی جو میری آنکھوں سے
وہی تو تحفتاً دینے میں آج لایا ہوں

میرے سرور دنیا و دیں ﷺ!

دور رہ کر بھی ہے ہر سانس میں خوشبو تیری ﷺ
میں مہک جاؤں جو تُو پاس بلالے مجھ کو

آپ ﷺ کے آستانِ کرم سے دور بہت دور آپ ﷺ کا اک عصیاں شعار عجمی اپنے جذبوں کی ترجمانی کے شعور کا تمنائی ہے۔ آپ ﷺ کی الفت کے عطر میں بسی جذبِ دل کی یہ آرزو و عرض پرواز ہے کہ اپنی توصیف و ثنا میں میرے راہوارِ قلم کو الفاظ اس سلیقے سے پرونے کا ہنر عطا کیجئے کہ جیسے وفا کی نذر لئے اشکبار آنکھوں میں آپ کے دیوانے آپ کے در پہ بے قرار کھڑے ہوں اظہار محبت ہو تو اس طرح کہ چاہت کی روح کھچ کر الفاظ کے سینے میں سما جائے، ان میں اثر ہو تو ایسا کہ پئے نذرِ عقیدت ارادت کے یہ موتی آپ کی بارگاہ میں بار پا جائیں۔

وہ لکھیں حرف کہ روحوں میں اتر آئے گداز
سطریں خود بول اٹھیں ایسی کتاب کی جائے
انگلیاں لمس پڑھیں حرف تراشیں سانسیں
اس طرح درسِ تمنا کی ریاضت کی جائے

بارگاہِ محبوب ﷺ میں عقیدت کا خراج پیش کرنا سہل نہیں۔ یہ وہ بارگاہ جلالت مآب ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی دست بستہ دم سادھے نظر آتے ہیں۔

بابِ جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریلؑ کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے درِ یار ﷺ پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

میرے نبیٔ محترم ﷺ!

آپ کے بارے میں ایک لفظ بھی لکھنا تو کجا، سوچنا بھی میرے فہم و ادراک سے بالا ہے۔ قلم ہے کہ سطوت رسالت ﷺ سے کانپ کانپ جاتا ہے۔ دامنِ قرطاس ہے کہ ندامت کے آنسوؤں سے بھیگ بھیگ جاتا ہے۔ مشک وعنبر میں بسی اور عطر وگلاب سے دھلی زبان ہے کہ آدابِ شہنشاہی کے سبب لڑکھڑا لڑکھڑا جاتی ہے۔ سوچیں ہیں کہ وفورِ شوق میں سو سو بار طہارت کا وضو کرتی نظر آتی ہیں۔ لفظ ہیں کہ بار بار بارگاہِ اقدس کے طواف کے لئے پاکیزگی کا احرام باندھتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی بارگاہِ جمال میں اظہارِ ارادت کے لئے قرطاس وقلم کا رشتہ ہے کہ پاسِ ادب کے سبب بارہا ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔

پس میں اپنے جھلملاتے ہوئے آنسوؤں کا خراج، اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کا سکوت، اپنی لڑکھڑاتی ہوئی زبان کا عجز اور اپنے لرزتے ہوئے قلم کا نیاز آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں اس آرزو کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

شاہا ﷺ نیاز و عجز گدایاں قبول ہو
آقا ﷺ سلامِ حلقہ بگوشاں قبول ہو
الفاظ ساتھ چھوڑ گئے گنگ ہوگئے
بے ربطیٔ نوائے پریشاں قبول ہو
ساری دعائیں سیلِ تجلی میں بہہ گئیں
لرزاں اک اشک ہے سرِ مژگاں قبول ہو

میرے قبلۂ جاں ﷺ!

آپ ﷺ کی عطا کے انداز نرالے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی رحمت بیکراں سے سب کو نوازتے رہتے ہیں۔ کسی پہ چشمِ عنایت قرطاس قلم کے حوالے سے، کسی پہ فیضانِ نظر قلب پہ القا کی صورت، کسی پہ لطف وعطا سوچ سے ماورا جمالِ فکر کے انمول موتی کے ذریعے نکہتِ گل سے مہکتی ہوئی رات کے ریشمی دھندلکوں میں کہیں خواب میں آکر، کہیں روح میں سما کر لذتِ آشنائی کے سبب دل کو دوعالم سے یوں بیگانہ کرتے ہیں کہ انسان خود ہی اپنے آپ سے ہمکلام رہنے لگتا ہے۔ وہ خود سے گویا ہوتا ہے۔ کوئی اس سے گویا ہوتا ہے۔ یہ سب وقت و زمانہ کی ضروریات کے تحت ہوتا ہے۔

محبوب ﷺ کی سراپا نگاری ہو یا سیرت نگاری، اصل بات تو عشقِ رسول ﷺ کے منّزہ جذبوں کا اظہار ہے۔ یہ الفاظ و اشعار مقصودِ کائنات ﷺ کے چاہنے والوں میں اپنا نام لکھانے کے قلبی تمنا کا وسیلۂ اظہار ہوتے ہیں۔ عشقِ رسول ﷺ سرمایۂ ہستی ہے اور آخرت کا زادِ راہ بھی۔ پس جس لفظ لمحے یا انسان نے اِس مئے ناب کا گھونٹ پی لی، وہ امر ہوگیا۔ حضور ﷺ کی مدح وثنا متاعِ نگارش اور معراجِ ہنر ہے۔ اس کے سبب سب سے بڑی شادمانی اور کامرانی جو نصیب ہوتی ہے۔ وہ محبوب کے دامن پاک ﷺ سے نسبتِ عقیدت ہے۔ جسے یہ دولت مل گئی اُسے اور کیا چاہئے۔

جو سُرور و کیف ملتا ہے تیرے ﷺ افکار سے
وہ کسی مے میں نہ ساغر میں نہ میخانوں میں ہے
کون چھینے گا تجھے ﷺ میرے بدن کی روح سے
تُو تو میرے گوشہ دل کے نہاں خانوں میں ہے

میری رگ رگ میں سمایا تیری ﷺ شفقت کا سُرور
تُو ﷺ میرے شعروں میں پنہاں میرے افسانوں میں ہے

میرے حضور ﷺ!

طشتِ دل پہ سجے عقیدت کے اِن پھولوں کے ساتھ کانپتے ہونٹوں دم بخود سانسوں اور ملتجی نظروں کے ساتھ آپ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں باریابی کا متمنی ہوں۔ میری نگاہِ شرمسار میں ندامت کے آنسو بھی ہیں اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے وابستگی کا بے پایاں جذبہ بھی۔

صاحبِ لوح وقلم!

آپ ﷺ کی دیدہ وری پہ عیاں ہے کہ محبت کے راہی کا زادِ راہ فقط آنسو ہی ہوتے ہیں۔ محبت حق طلب ہو یا مجاز آشنا بہرصورت آنسوؤں ہی سے عبارت ہوتی ہے۔ آنسو محبت کے سفیر ہوتے ہیں۔ ہجر کی راتوں کے امین ہوتے ہیں۔ جو برسوں کی جدائی کو پل بھر میں پلکوں کی زباں سے بیاں کردیتے ہیں۔ اشکبار آنکھوں سے ٹوٹنے والے اِن گرم گرم آنسوؤں کا گداز آپ پہ عیاں ہے۔ اپنے گنبدِ آبگینہ رنگ پہ نچھاور ہونے والے ارادت کے آنسوؤں کی زبان آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ اپنے ہجر میں سلگتے ہوئے دلوں کے رباب سے نکلے ہوئے مدھر نغموں کی حلاوت سے آپ بخوبی آشنا ہیں۔ اپنے فراق کے مضراب سے مرتعش دل کے تاروں کے گیت آپ کے لئے نبات وانگبیں کی سی مٹھاس رکھتا ہے۔

فخرِ عرب وعجم ﷺ!

مجھ سا عصیاں شعار بھی ٹوٹے ہوئے دل اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے سوا آپ ﷺ کے حضور اور کیا پیش کرسکتا ہے۔ ندامت کے یہ آنسو آپ ﷺ ہی کا تو عطیہ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی محبت کا اعجاز ہیں اور یہ صرف اور صرف اُن خطاکاروں کا ہی نصیب ہیں۔ آپ ﷺ کی آغوشِ رحمت نے جن کی زینت بنا ہے۔آپ کے لبِ گوہر بار کے سحر آفریں الفاظ (**الطالع لی الصالح للّٰہ** گنہگار میرے لئے اور نیکو کار اللہ کے لئے ہے) کا آسرا نہ ہوتا تو کبھی بھی آپ ﷺ کی بارگاہِ ناز میں باریابی کی جرات بھی نہ کر پاتا۔ جہاں پہ جنیدؒ و بایزیدؒ کا زُہد و اتقی گوہر شبنم کی طرح آبدیدہ اور شوکتِ سنجر وسلیم قبائے گُل کی طرح دریدہ نظر آتی ہے۔

شرم سے جو نہیں اُٹھتی وہ نظر لایا ہوں
اپنی بھیگی ہوئی شاموں کی سحر لایا ہوں
اپنی آنکھوں کے تیرے ﷺ در پہ گُہر رکھتا ہوں
صرف اک نظرِ عنایت ترے ﷺ پاؤں پہ سر رکھتا ہوں

سرورِ سروراں ﷺ!

کسی بھی صاحب ایماں کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کوئی نہیں کہ اسے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ اور ثنا خوانِ محمد ﷺ میں شامل کرلیا جائے۔

اُن ﷺ کے در سے مجھے مل جائے غلامی کی سند
میرے معبود کوئی لفظ میں ایسا لکھوں
سایہ گستر نہ ہوگر صورت واللیل وہ زلف
ساری دنیا کو میں تپتا ہوا صحرا لکھوں
ہرنفس تازہ تغیر کا ہدف ہے دنیا
جُز ترے دہر میں آقا ﷺ کسے اپنا لکھوں

یہ آرزو میرے دل کی معراج بنی کہ کاروانِ عشق و سرمستی کے سالار سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اگر آپ ﷺ کے مدحت نگاروں میں کفش بردار اور بازار مصر میں یوسف کے خریداروں میں بنتِ نیل کی حیثیت سے شامل کرلیں تو یہ احساں میرے جرم و خطا کے لئے بخشش و عطا اور مجھ بیکس و بے نوا کے لئے وجہ صد افتخار و ناز ہوگا۔

میں کہاں اپنے محبوب ﷺ کی توصیف کہاں
عرض کچھ کرتا ہوں رحمت کے بہانے کیلئے

تاجدارِ شہاں ﷺ!

دعائے خلیل ونویدِ مسیحا علیہما السلام سے لے کر اُس آخری حرف تک جو آپ ﷺ کی مدح و ثنا میں کہا گیا سرمایہ۔۔۔ اظہار عجز کی وہ دولت اور محبت وعقیدت کا

وہ خراج ہے جو آپ کے نام لیواؤں کی طرف سے بارگاہِ جمال میں پیش کیا گیا ''لولاک لما'' کا تاج وہ تاج ہے جو احسن الخالقین کی طرف سے آپ کے سر اقدس کی زینت بنا۔۔۔ ورفعنا لک ذکر۔۔۔ وہ سہرا ہے جو شبِ اسریٰ کے دولہا ﷺ!۔۔۔ آپ کے زیبِ گلو ہوا۔

میرے محبوب ﷺ انس و جاں!۔۔۔

انسان جس ہستی سے محبت کرتا ہے اُس کی ذات کے چمن سے وہ نہ صرف فکرو نظر کے پھول چنتا ہے۔ بلکہ اُس کے وجود سے سوز و گداز کی کلیاں بھی جن سے وہ اپنے دل کا چراغ روشن رکھتا ہے۔ جن سے وہ تنہائیوں میں بھی انجمن آرا رہتا ہے۔

میرے حضور ﷺ!۔۔۔

میں بھی تو محتاج کرم آپ ﷺ ہی کا اک گنہگار اُمتی ہوں۔۔۔ مجھے بھی تو آپ ﷺ کی ذاتِ قدسی سے نسبتِ عقیدت ہے۔ میرے نامہ اعمال کی سیاہیوں سے قطع نظر حسنین کریمینؓ کے صدقے مجھے اپنی کملی کے سائے میں لے لیجئے۔ للہ مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے۔۔۔

میرے آقائے دو جہاں ﷺ!

آپ کی اُلفت کے اسیر۔۔۔ خواجہ غلام فریدؒ کے الفاظ میں:

''میں نے اپنے گھر میں کبھی ایک پل بھی قرار نہیں پایا۔ آپ کے ہجر و الم میں میری ساری عمر گزر گئی۔ آپ کا فراق و اضطراب مجھے در در لئے پھرتا ہے۔۔۔''

اے خالقِ ہجر و وصال!

''تجھے زلف ﷺ واللیل کی قسم! کوئی ایسا وسیلہ بنا کر میری باقی عمر تیرے محبوب ﷺ کے درِ اقدس پہ اُن ﷺ کے قدموں میں گزر جائے''۔

میرے آقا ﷺ اپنے دل کا حال میں کس سے کہوں
چپ رہوں لیکن کہاں تک اور کیسے چپ رہوں
رات کی نیندیں میسر ہیں نہ اب دل کو سکوں
اور ہوتا جا رہا ہے دردِ مہجوری فزوں
صبر کا دامن چھٹا جاتا ہے ہاتھوں سے بِرے
آپ ﷺ خود فرمائیں آخر میں کروں تو کیا کروں
صرف اتنا عرض کرنے کی اجازت ہو عطا
دور رہ کر آپ ﷺ کے قدموں سے میں کیوں کر جیوں

مولائے کل ﷺ!

کسی آنکھ نے آج تک کوئی ایسا میزبان نہیں دیکھا جس نے اپنے در پہ بلائے ہوئے مہمان کو خالی ہاتھ لوٹایا ہو اور میں بھی تو آپ ﷺ کے در کا گدا ہوں جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔ میں تو آپ کی گلی کا فقیر ہوں جہاں مجھ جیسے ان گنت سیاہ کار آپ ﷺ کے جودوسخا پر پل رہے ہیں۔ میرے حضور ﷺ! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ نارسائی میرا نوشتہ تقدیر نہیں بلکہ آپ کی زیارت بفضلِ ایزدی میرا مقدر ہے۔

اس سے پہلے کہ بجھیں میری بصارت کے چراغ
ان میں تصویرِ مدینے کی سجالی جائے
یہ تو ممکن ہی نہیں رحمتوں والے آقا ﷺ
خالی ہاتھوں تری چوکھٹ سے سوالی جائے

یارحمۃ اللعالمین ﷺ!

مہر و مہ سے تابندہ تر آپ ﷺ کے رخِ انور پہ بکھری ہوئی زلفِ واللیل کی قسم! آپ ﷺ کے دربارِ گُہر بار سے آیا ہوا ایلچی ہوا میری زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں ہولے سے چلتی ہوئی بادِ نسیم اور زیست کے اُجڑے ہوئے دیار میں چپکے سے آتی ہوئی بہار سے زیادہ جانفزا ہے۔ یہ نہ صرف بعد از وصال آپ ﷺ کی ابدی سیرت کا تحیر خیز معجزہ ہے بلکہ اللہ کا کرم بھی۔

کیسے ادا زباں سے ہو شکرِ کرد گار
جالی حرم کی اور یہ چشمِ گناہ گار
آتا نہیں یقیں کہ میں اور درِ نبی ﷺ
میں اور قدم حضور ﷺ کے سوچنا نہ تھا کبھی

کٹ جائے میری عمر تیرے ذکر پاک میں
مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں
میرے شفیع المذنبین ﷺ!

یہ تمنا میری سوچ کا جھومر ہے کہ میرا انجام کرامت علی شہیدیؒ کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے اس شعر کی زندہ تفسیر ہو۔

تمنا ہے درختوں پہ تیرے روضوں کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

میری حسرت و آرزو ہے کہ مجھ سیاہ کار کا جسم اپنی سیاہ کاریوں اور عصیاں شعاریوں سمیت اپنی نگاہوں سے گنبد خضریٰ کی زیارت کرلے تاکہ یہ کہنے کا اعزاز حاصل کرسکے۔

حضورِ روضہ اقدس ﷺ کھڑا ہوں
تمنا ہے نہ اب کوئی طلب ہے

اور پھر بس اس قابل نہ رہے کہ انہی آلودگیوں سمیت بارگاہ محبوب ﷺ میں باریاب ہوسکے صرف آپ ﷺ کی چشمِ کرم میں آجائے کہ اک گنہگار جو آپ کا اُمتی تھا اپنے گناہوں پہ منفعل تھا اسی لئے وہ اپنی گنہگار آنکھوں کو ہی گنبد خضریٰ پہ نچھاور کرسکا اپنے آلودہ معصیت جسم کو حدِ کوئے محبوب ﷺ میں نہیں لایا کیونکہ اُسے اِس بارگاہ کی عظمت و جلالت کا حد درجہ احساس تھا جو بوسہ گاہِ ملائک ہے جس کا درباں جبریلِ امیں ہے جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتوں کی نورانی جماعت حاضر ہوکر درود و سلام کے بے پایاں پھول میرے آقائے کریم ﷺ آپ پہ نچھاور کرتی ہے اور اپنے عنبریں پروں سے روضہ اقدس پہ غبارِ رِگل کی افشاں کو اپنے چہرے کا غازہ اور آنکھوں کا سرمہ بناتی ہے جہاں روز و شب انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے جہاں جنید و بایزیدؒ ہاتھ باندھے گم کردہ نفس نظر آتے ہیں جس کی رفعت کے سبب عرشِ اعظم بھی جھکا رہتا ہے۔

میرے آقائے بے کس نواز ﷺ!

کاسے میں اس بھیک کے ساتھ سائل کی اس صدا کے ساتھ اور عجز بیاں کی اس التجا کے ساتھ ریاض حسین چودھری کے مشک بو لہجے میں آپ ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے نگاہِ لطف و کرم اور بخشش و عطا کا طالب ہوں۔

حضور ﷺ حاضر ہے ایک مجرم حضور ﷺ اس کو معاف کردیں
اور اسکے کشکولِ آرزو کو کرم کے سکوں سے آج بھردیں
یہ ہجرتوں کے اگا کے موسم حضور ﷺ لایا ہے کشتِ غم میں
یہ عافیت کی تلاش میں ہے، اِسے مدینہ میں ایک گھر دیں

صاحبزادہ خورشید گیلانی کے الفاظ میں

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو میں بلاتکلف کہوں گا صرف (40) چالیس دن، پوچھنے اور میرا سراپا دیکھنے والے کو یقیناً حیرت ہوگی کہ یہ کیا؟ میں اس کی حیرت بھانپ کر وضاحت کروں گا کہ چالیس دن کا مطلب یہ ہے 16 دسمبر 2005ء سے 25 جنوری 2006ء کے وہ شب و روز میرے حاصلِ حیات ہیں جو میں نے خانۂ خدا کے صحن اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بسر کئے ہیں باقی کے ایام زندگی بس کٹ گئے ہیں جن کا حساب رکھنا میں ضروری نہیں سمجھتا عمرِ عزیز کے 64 سال کچھ بچپن کی نذر ہوئے کچھ لڑکپن میں صرف ہوئے کچھ عنفوانِ شباب میں کھپ گئے، کچھ کالے حرف پڑھنے میں بسر ہوئے۔ کچھ گفتار و اظہار میں ضائع ہوئے کچھ تقدیسِ قلم کے تحفظ میں استعمال ہوئے، کچھ حصولِ رزق کا حصہ بنے۔ کچھ نیند نے اُچک لئے، کچھ سفروں نے ضائع کردیئے کچھ غمِ دوراں نے چھین لئے اور کچھ غمِ جاناں نے کشید کرلئے، لے دے کے یہی 40 روز ہیں جن کی مہک روح میں رچی ہوئی اور جن کی چمک آنکھوں میں سجی ہوئی ہے جن کی یاد سے دل کو بہلاتا اور جن کے تصور سے روح کو گرماتا ہوں۔

تیری ﷺ چاہت کا سفر جیسے کوئی دور تلک
سونگھتا جائے ہے مہکتے ہوئے خوش رنگ گلاب

انسانی تعلقات میں مضبوطی اور استحکام

شفاقت علی شیخ

انسانی تعلقات میں مضبوطی و استحکام کا تعلق ہمارے رویہ جات پر منحصر ہے۔ عموماً معاشرتی زندگی میں باہمی معاملات کو طے کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پانچ قسم کے رویہ جات پائے جا سکتے ہیں:

۱۔ جیت/ جیت ۲۔ جیت/ ہار ۳۔ جیت

۴۔ ہار/ جیت ۵۔ ہار/ ہار

(i) جیت/ جیت

یہ دل و دماغ کی ایک کیفیت یا سوچ کا ایک انداز ہے۔ جو ہر انسانی تعلق میں باہمی فائدے کی تلاش میں رہتا ہے۔ یہ رویہ تمام انسانی معاملات میں سب کی مشترکہ بھلائی چاہتا ہے اور باہمی معاملات میں ایسے معاہدے اور حل تلاش کرتا ہے جن سے تمام متعلقہ فریقوں کو فائدہ اور اطمینان حاصل ہو اور تمام لوگ طے شدہ فیصلے کے بارے میں اچھا محسوس کریں اور طے پاجانے والی چیزوں کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ اس نظریے کے مطابق آپ دوسرے لوگوں کا خیال رکھتے ہیں اور اپنی کامیابی کی خواہش کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی کامیاب ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق کامیابی کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور جو شخص بھی اس میں داخل ہونے کی ہمت رکھتا ہے، وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ کامیابی صرف کسی خاص شخص کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا حق ہے۔

(ii) جیت/ ہار

جیت رجیت کا ایک متبادل نظریہ جیت / ہار ہے۔ اس نظریے کی بنیاد اس نکتے پر ہے کہ ''اگر میں جیتوں گا تو تم ہارو گے'' چنانچہ اس نکتہ نظر کا حامل شخص نہ صرف خود جیتنا چاہتا ہے بلکہ دوسرے کو ہرانا بھی چاہتا ہے۔ اس مقصد کیلئے اُسے ناجائز اور پُر فریب حربے اور ہتھکنڈے بھی استعمال کرنا پڑیں تو وہ گریز نہیں کرتا۔ وہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی پوزیشن، طاقت، مرتبے اور اثر و رسوخ کو بھی غلط طور پر استعمال کرتا ہے۔ یہ رویہ خودغرضی پر مشتمل ہے جو اسلامی اقدار کے سراسر منافی ہے۔ ایسا شخص کسی بھی جگہ پر قائدانہ کردار ادا کرنے کی حقیقی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔

(iii) جیت

یہ بھی ذہن کا ایک رویہ ہے جس میں کہ انسان صرف اپنی جیت کے متعلق سوچتا ہے۔ اُسے اس سے غرض نہیں ہوتی کہ دوسرے جیت رہے ہیں یا ہار رہے ہیں۔

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

اس رویہ کے حامل شخص کے سامنے صرف اپنے خواب اور اہداف ہوتے ہیں جن کی تکمیل کے لئے وہ تن، من، دھن سے مصروف عمل رہتا ہے۔ وہ دوسروں کی خواہشات اور اُن کا حصول اُنہی پر چھوڑ دیتا ہے۔ مہذب معاشروں میں عموماً یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ رویہ جیت/ہار کے رویے کی نسبت کمتر درجے میں ہوتا ہے۔ تاہم چونکہ اس نظریہ میں بھی انسان کی سوچ اپنی ذات کے اردگرد ہی گھومتی ہے اور اس میں بھی خودغرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس لئے اسلام کی آئیڈیالوجی میں اسے کوئی مثالی رویہ (ideal behaviour) قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(iv) ہار/ جیت

جیت/ ہار کے بالکل برعکس ایک اور رویہ ہے جسے ہار/ جیت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک مریضانہ رویہ ہے جس کا حامل شخص احساس کمتری کا شکار اور کمزور ذہنیت کا مالک ہوتا ہے، چنانچہ وہ ہر معاملے میں ہر شخص کے مقابلے میں آسانی سے ہار مان لیتا ہے اور اپنی دانست میں اسے امن پسندی سمجھتا ہے۔

زندگی میں بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جہاں خاموشی اختیار کر لینا، مقابلے سے دستبردار ہو جانا اور بے مقصد بحث وتمحیص سے بچنے کی خاطر ہار مان لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے طبیعت اور مزاج کا حصہ بنالیا جائے تو پھر یہ رجحان خطرناک ہوتا ہے۔ ایسا شخص عزت نفس اور خود داری سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ جگہ جگہ اپنی اقدار پر سمجھوتہ کرتا ہے۔ اپنے احساسات اور سوچوں کو دباتا رہتا ہے جو بعض اوقات خطرناک نفسیاتی بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں انسان سے ایسی حماقتیں ہو جاتی ہیں کہ دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی خواہش کے باوجود تعلقات میں بگاڑ آجاتا ہے۔

دراصل جیت/ ہار اور ہار/ جیت دونوں کمزور پوزیشنیں ہیں اور دونوں کی بنیاد میں ذاتی عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے۔ البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں سوچ کے ابتدائی طور پر کچھ اچھے نتائج مل جاتے ہیں لیکن موخرالذکر میں سوچ تو شروع سے ہی ایک کمزور اور بے ہنگم سوچ ہوتی ہے، جو انسان کو دوسروں کے سامنے کھلونا بنا دیتی ہے اور وہ فٹ بال کی طرح ہر سمت میں لڑھکتا چلا جاتا ہے۔

(v) ہار/ ہار

یہ مندرجہ بالا چاروں رویوں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے جس کا حامل شخص ہر قیمت پر دوسرے کو ہرانا چاہتا ہے اور اُسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ خواہ اس کے نتیجے میں خود اُسے بھی ہارنا پڑے یا نقصان اُٹھانا پڑجائے۔ اس نظریے کے حامل شخص کو اپنی جیت سے اتنی غرض نہیں ہوتی جتنی دوسرے کے ہارنے سے ہوتی ہے۔ لہذا وہ اُسے ہرانے کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ یہ صورتحال عموماً اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب دو جیت/ ہار کی سوچ رکھنے والے مضبوط اناؤں والے ڈھیٹ قسم کے لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں۔ جب تمام فریق صرف اپنی جیت اور دوسروں کی ہار چاہتے ہوں تو اکثر نتیجہ ''سب کی ہار'' کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس نظریے کی سب سے بڑی مثال جنگ ہے جس میں ہر قیمت پر جیتنے کی خواہش ہوتی ہے چناچہ زیادہ سے زیادہ لوگوں اور املاک کو تباہ کیا جاتا ہے بالآخر جو فریق جنگ جیت لیتا ہے وہ بھی اپنا بہت کچھ نقصان کر چکا ہوتا ہے۔ انتقام بھی اس نظریے کی ایک قسم ہے، انتقام لینے والا بظاہر یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ جیت رہا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اپنی روح کو زخمی کر رہا ہوتا ہے اور بعض اوقات بظاہر بھی اُسے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک

قاتل جب دوسرے کو قتل کرکے خود پھانسی پر چڑھ جاتا ہے تو یہ بھی بدترین قسم کی ہار/ہار کی سوچ کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔

ہار/ہار کی سوچ ایک منفی اور تخریبی سوچ ہے جو ہر قیمت پر دوسروں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ اُس شخص کی سوچ ہے کہ جس کا دوسروں پر شدید انحصار ہو، جس کے پاس اندرونی سمت کوئی نہ ہو اور وہ عدم تحفظ کا شکار ہو۔ ایسا شخص اپنے کسی حقیقی یا فرضی دشمن کو اپنے سر پر سوار کر لیتا ہے اور منفی انداز میں اس سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنے دشمن کو اپنا مرکز بنا لیتا ہے اور اُس کے رویے کو اس طرح اپنے اُوپر حاوی کر لیتا ہے کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا ہو جاتا ہے اور اُس کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو ہارتا ہوا دیکھے، چاہے اس میں وہ خود بھی ہار جائے۔ ''ہار/ہار'' کا فلسفہ مکمل طور پر تباہی اور بربادی کا فلسفہ ہے۔

بہترین رویہ کون سا ہے؟

انسانی زندگی کے اندر اتنی انواع و اقسام کی حالتیں اور مواقع ہیں کہ کسی بھی ایک فارمولے کو ہر جگہ پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، مثلاً کھیل کے میدان میں جب دو ٹیموں کے درمیان مقابلہ ہو گا تو لازماً ایک کو جیتنا اور دوسری کو ہارنا ہے۔ لہذا وہاں جیت/جیت والا اصول عمل میں نہیں لایا جائے گا، اسی طرح کاروبار کے میدان میں جب دو بڑی کمپنیوں کا آپس میں مقابلہ ہو گا تو اُن میں سے کسی ایک کے آگے بڑھنے کی صورت میں لازماً دوسری پیچھے رہ جائے گی، تاہم یہ سب استثنائی حالتیں (Exceptional Cases) ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں باہمی تعلقات میں جہاں ایک دوسرے پر انحصار کرنا ہوتا ہے وہاں جیت/ جیت کا اصول اپنانا ہی بہترین اور خوشگوار تعلقات کو پروان چڑھانے کا سنہری اُصول ہوتا ہے۔

دوسری طرف انسانی زندگی میں کچھ مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں کسی بھی طرح کا مقابلہ ہونا ہی نہیں چاہیے، لیکن انسان وہاں بھی بعض اوقات غیر شعوری طور پر مقابلے میں اُتر آتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محبت اور دوستی جیسے انمول رشتے مقابلہ بازی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہ رشتے ہی ایسے ہیں کہ جہاں انسان جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔ اپنی تمام تر پائیداری کے باوجود یہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، جونہی ہار اور جیت کا تصور ان میں داخل ہوتا ہے یہ کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔

جیت/جیت کا اُصول نہ صرف دنیوی زندگی کے اندر تعلقات کو خوشگوار بنانے اور اُنہیں فروغ دینے کا سبب بنتا ہے، بلکہ یہ اسلام کا ایک اعلیٰ اُصول بھی ہے اور ہماری ایمانی اور روحانی زندگی کی نشوونما کا لازمی تقاضا بھی ہے۔ اس کی بنیاد اس اُصول پر ہے کہ دوسروں کو اپنے جیسا سمجھتے ہوئے اُن کیلئے وہی پسند کرنا جو انسان اپنے لئے کرتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی يُحِبُّ لِاَ خِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔''

اسلام نے کتنی خوبصورتی کے ساتھ معاشرتی زندگی کے اس سنہری اُصول کو ایمان کا تقاضا بنا دیا ہے اور ایمان کی حقیقت اور کمال کو پانے کے لیے اس اصول کو اپنی شخصیت اور کردار کا حصہ بنانے پر زور دیا ہے۔ ہر انسان اپنے لئے خوشی، مسرت، کامیابی اور نفع وغیرہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایمان کا مطالبہ یہ ہے کہ یہی چیزیں وہ دوسروں کے لئے بھی چاہے۔ وہ ایسی روش اور طرزِ عمل کو اپنانے سے گریز کرے جس کے نتیجے میں دوسرے لوگ مندرجہ بالا چیزوں سے محروم ہوتے دکھائی دے رہے ہوں۔ جس طرح وہ اپنا ہمدرد اور خیرخواہ ہوتا ہے اُسی طرح وہ دوسروں کا بھی ہمدرد اور خیر خواہ بن جائے اور معاملات

کا ایسا حل تلاش کرے جو اُس کو خوشی اور کامیابی کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ایسا محسوس کرنے کا موقع فراہم کرے۔ اسی صورت میں انسان حقیقی معنوں میں خوشی و مسرت کو حاصل کرسکتا ہے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کو بھی پائیدار بنیادوں پر استوار کرسکتا ہے۔ بصورت دیگر صرف اپنی کامیابی اور خوشی کے متعلق سوچنے اور دوسروں کے جذبات و محسوسات کو نظر انداز کرنے سے نہ وہ صحیح خوشی اور کامیابی حاصل کر سکے گا اور نہ ہی دوسروں کے ساتھ خوشگوار، مضبوط، اور پائیدار تعلقات کو برقرار رکھ سکے گا۔

''جیت / جیت'' کا رویہ کیا ہے؟

حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے پیش آنے والا ایک واقعہ ہر دو فریق کی جیت کے تصور کو سمجھنے کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ تعمیر کعبہ کے دوران حجر اسود کو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کرنا تھا، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت اُس کے حصے میں آئے بلاآخر طے پایا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوگا وہی یہ فیصلہ کرے گا۔ حسن اتفاق سے حضور ﷺ سب سے پہلے داخل ہوئے۔ چنانچہ طے شدہ اصول کیمطابق اب آپ ﷺ نے طے کرنا تھا کہ یہ سعادت کس کے حصے میں آئے گی؟ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوا کر اُس پر حجر اسود کو رکھ کر ہر قبیلے کے سردار کو بلا کر اُس کے ہاتھ میں چادر کا ایک کونہ پکڑایا، اُن تمام نے مل کر حجر اسود کو اس کی متعلقہ جگہ تک پہنچایا اور حضور ﷺ نے اسے اپنے ہاتھوں سے نصب فرمایا۔ چنانچہ ہر فریق خوش تھا کہ یہ سعادت اُس کے حصے میں بھی آ گئی۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا اُس میں اگرچہ آگے چل کر اسلام کو فائدہ پہنچنا تھا لیکن فی الوقت معاہدے کا دوسرا فریق (کفار مکہ) اس بات پر مطمئن تھا کہ یہ معاہدہ اُن کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ چنانچہ شروع میں تو بڑی گرم جوشی کے ساتھ کفار مکہ نے اس پر عمل کیا، تاہم بعد ازاں جب کفار مکہ کو احساس ہوا کہ اس معاہدے میں عملی طور پر اُن کا نقصان ہو رہا ہے تو اُنہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بھی معاہدے میں فریقین اُسی وقت خوش دلی سے عمل کرتے ہیں جب اُن کو اُس میں اپنے لئے نفع محسوس ہو رہا ہو، جہاں ایک فریق محسوس کرے کہ اُسے نقصان ہو رہا ہے تو وہ معاہدہ توڑ دیتا ہے یا پھر خوش دلی سے اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور ایسی حالت میں خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

جیت / جیت والی سوچ کیسے اپنائی جائے؟

باہمی تعلقات میں جیت / جیت کی سوچ کو اپنانا بلند حوصلہ اور اعلیٰ ظرف لوگوں کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ اس خوبی کو اپنی شخصیت میں پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ فطری چیزیں (خود آگاہی، تخیل، ضمیر، خودمختار ارادہ) کو بھر پور طریقے سے استعمال میں لانا پڑتا ہے۔ اس سے انسان کے اندر ایسی بصیرت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ حقائق کا کھلے دل سے اعتراف کرسکے۔ دوسروں کو اپنی جگہ اور اپنے آپ کو دوسروں کی جگہ پر رکھ کر سوچ سکے۔ دوسروں کو صحیح معنوں میں سمجھ سکے اور اپنی بات موثر طریقے سے اُنہیں سمجھا سکے۔ دوسروں کے ساتھ تعاون کر سکے اور اُن سے اپنے لئے تعاون حاصل کر سکے، اور باہمی تعلقات کو سب کی بھلائی اور بہتری کے حصول کا ذریعہ بنا سکے۔ اس مقصد کیلئے جس اعلیٰ درجے کے کردار کی ضرورت ہوتی ہے اُس کے اندر مندرجہ ذیل تین چیزیں خصوصی اہمیت رکھتی ہیں:

۱۔ تشخص ۲۔ بالغ نظری ۳۔ کشادہ دلی

(i) تشخص

تشخص کا مطلب ہے کہ انسان کی سیرت و

کردار میں امانت و دیانت کا پہلو اس قدر راسخ ہو چکا ہو کہ ماحول اور معاشرے کی نگاہوں میں دیانت داری اور راست بازی اُس کی پہچان بن چکی ہو۔ ایک شخص کے اندر اگر سو خوبیاں ہوں لیکن ایک دیانتداری نہ ہو تو لوگوں کی نظر میں اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی اور نہ ہی کوئی اُس کی بات سننے پر آمادہ ہو گا کیونکہ کسی کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں جیت / جیت کا حل سوچنا اور اُس پر عمل پیرا ہونا ممکن ہی نہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے اپنے باپ کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھنے کی تجویز پیش کرتے وقت اُن کی جو دو خوبیاں بیان کی تھیں اُن میں سے ایک دیانتداری تھی۔قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ:

اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِيۡنُ.

''بے شک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)''۔ (القصص: ۲۶)

حضورﷺ کو اعلان نبوت سے پہلے کفار مکہ نے جو دو القاب عطا کر رکھے تھے وہ بھی ''صادق اور امین'' تھے یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں اور ان دونوں کا تعلق دیانتداری سے ہی ہے۔

دیانتداری اور راست بازی کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کا مطلب ہے کہ انسان اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے کردار میں سموئے ہوئے ہو، اُس کے ظاہر و باطن میں یکسانیت اور ہم آہنگی ہو اور قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ وہ ہر کسی کا ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔ اپنے اور دوسروں کیلئے یکساں معیار رکھتا ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ خوبی اُس کی شخصیت میں رچ بس چکی ہو نہ کہ کسی خاص موقع پر کبھی کبھار اظہار ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ہماری ہر لمحہ کی حرکات و سکنات اور جملہ اعمال وافعال دوسروں کی نگاہوں سے گزر کر اُن کے ذہن کے کمپیوٹر میں جا کر ہماری ایک تصویر بناتے چلے جاتے ہیں ۔جس طرح کا طرزِ عمل ہم اپناتے ہیں اُسی طرح کی ہماری تصویر لوگوں کے ذہنوں میں بنتی ہے اور اُسی کے مطابق لوگوں کے ذہنوں میں ہمارے حوالے سے اعتماد کا لیول قائم ہوتا ہے ۔ اس تصویر کا بننا یا بگڑنا ایک دن کی بات نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک مسلسل اور متواتر عمل ہے ۔ لہٰذا جب ہم مستقل طور پر اس خوبی کو اپنائے ہوں گے اور ہر موقع پر اپنے عمل سے اس کا اظہار کریں گے تو لوگوں کے ذہنوں میں ہمارے حوالے سے اعتماد کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اس خوبی کی موجودگی میں ایک طرف تو ہمارے لئے جیت / جیت والے حل کے متعلق سوچنا آسان ہو گا اور دوسری طرف دوسرے لوگوں کو اس کی طرف مائل کرنا آسان ہو گا۔

(ii) بالغ نظری

عام طور پر بالغ نظری سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ انسان کی عقل میں اتنی پختگی آ جائے کہ وہ معاملات کا بہتر انداز میں جائزہ لے سکے اور درست نتائج اخذ کر سکے۔ لیکن یہاں بالغ نظری کا لفظ ایک خاص مفہوم میں استعمال کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ

انسان اپنے جذبات اور عقائد کا پوری حوصلہ مندی سے اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے جذبات اور عقائد کا بھی پورا پورا لحاظ کرے۔

اپنے اُوپر اعتماد + دوسروں کی عزت = بالغ نظری

جیت / جیت کی سوچ پر عمل پیرا ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ہمارے رویے میں ان دونوں چیزوں کے درمیان توازن ہر وقت برقرار رہے ۔ اگر ایک انسان کے پاس حوصلہ مندی یا ذاتی اعتماد اعلیٰ درجے میں موجود ہو لیکن

وہ دوسروں کی پرواہ کرنے میں کمزور ہو اور دوسروں کے جذبات و احساسات کی اُس کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہ ہو تو وہ ہر وقت اپنی جیت اور دوسروں کی ہار کے چکر میں ہی رہے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص میں حوصلہ مندی اور ذاتی اعتماد پست درجے میں ہو لیکن وہ دوسروں کی بہت زیادہ پرواہ کرنے والا ہو اور اُن کے جذبات اور خواہشات کو بہت اہمیت دیتا ہو تو وہ اپنی ہار اور دوسروں کی جیت کیلئے آمادہ ہو جائے گا۔ جیت / جیت کی سوچ اُسی وقت معرض وجود میں آتی ہے جب ایک انسان کے پاس ذاتی حوصلہ مندی اور دوسروں کی عزت کرنے کا جذبہ دونوں اعلیٰ درجے میں موجود ہوں اور دونوں کے درمیان توازن پایا جارہا ہو۔

(iii) کشادہ دلی

کشادہ دلی کا مطب کھلے دل و دماغ کا مالک ہونا اور معاملات کو طے کرتے وقت تنگ نظری اور تعصب کی بجائے وسیع النظری اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا ہے، یہاں کشادہ دلی کا لفظ جس خاص مفہوم میں استعمال کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وجود کو بھی پیدا کیا ہے اُس کی ضرورت اور تعمیر و ترقی کے جملہ لوازمات یہاں موجود ہیں ،لہٰذا یہاں ہر شخص کے لئے اس دنیا میں بہت کچھ موجود ہے۔ ایک حدیث قدسی کے الفاظ یوں ہیں:

یا عبادی لو ان اولکم و اخرکم و جنکم و انسکم اجتمعوا فی صعید واحد فسئلونی جمیعا فا عطیت کل انسان منھم مسئلتہ لم ینقص ذلک مما عندی الا ینقص المخیط اذا غمس البحر

’’اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے ،جن و انسان ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب مجھ سے مانگیں اور میں اُن میں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دوں تو یہ دینا میرے خزانے میں کمی نہیں کرے گا۔ مگر اتنی جتنی کے سمندر میں ڈبونے سے سوئی سمندر کے پانی میں کمی کر یگی۔‘‘

’’جیت / جیت‘‘ کی سوچ کو اپنانے کیلئے بہت ضروری ہے کہ انسان اس’’ بہت ہے‘‘ کی ذہنیت کو اپنا چکا ہو اور اپنے دل و دماغ کی تختی پر یہ حقیقت نقش کر چکا ہو کہ یہاں ہر شخص کے پانے کیلئے ہر چیز بے حد و حساب مقدار میں موجود ہے۔ مال و دولت ،علم و عقل اور عزت و شہرت میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کی کوئی کمی ہو۔ جب انسان اس سوچ کو اپنے من میں اتار لے گا تو پھر اس کیلئے دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنا ، اُنہیں نعمتیں پاتے ہوئے دیکھ کر خوش ہونا اور اُن کے فائدے کے متعلق سوچنا قطعاً مشکل نہیں ہو گا کیونکہ وہ اس بات کو جانتا ہو گا کہ دوسروں کو ملنے کا مطلب کسی بھی درجے میں یہ نہیں ہے کہ وہ اُن چیزوں سے محروم رہ جائے گا، بلکہ اُس کیلئے بھی آگے بڑھنے اور ہر چیز کو پانے کے مواقع پوری طرح موجود ہیں۔

اس کے برعکس جو شخص تنگ دل اور تنگ نظر ہو گا، وہ اس وہم میں پڑ جائے گا کہ یہاں ہر چیز بہت محدود مقدار اور قلیل تعداد میں موجود ہے۔ لہٰذا جس طرح بھی ممکن ہو کوشش کر کے یہ محدود چیزیں اپنے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد اور مقدار میں حاصل کر لینی چاہئیں۔ ایسے شخص کا ذہن جیت / جیت کی سوچ کو اپنانے کی طرف مائل ہی نہیں ہوگا کیونکہ اُس کے نزدیک ایک کی جیت دوسرے کی ہار کے مترادف ہو گی، چنانچہ وہ دوسروں کے اندر موجود خوبیوں کا کھلے دل سے اعتراف نہیں کر سکے گا بلکہ اُلٹا ان کے حوالے سے حسد محسوس کرے گا۔ اپنی

طرف سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا تو دور کی بات ہے وہ دیگر ذرائع سے اُن کو ملنے والی کامیابیوں اور فوائد کے حوالے سے بھی اپنے دل ہی دل میں جلنے اور کڑھنے والی روش کا شکار ہوگا۔ مادی فوائد تو ایک طرف وہ کسی دوسرے کی تعریف سن کر بھی اندر سے جل بھن کر رہ جائیگا۔ جیسے روپے پیسے کی طرح تعریف بھی کوئی محدودسی چیز ہے اور اس میں سے کچھ کم ہوگیا تو شاید اُس کیلئے کچھ نہ بچے گا۔ وہ دوسروں کی کامیابی ، تعریف اور اعلیٰ کارکردگی کا صرف ایک مطلب لے گا کہ وہ اُن کے مقابلے میں چھوٹا ہوگیا ہے۔ چنانچہ وہ اندر ہی اندر دوسروں کی ناکامی ، بدنامی اور نقصان کی اُمید لگائے رکھے گا، تاکہ دوسرے پیچھے رہ جائیں اور وہ خود اُن سے آگے نکل جائے۔ ایسا شخص کبھی بھی جیت / جیت والی روش کو نہیں اپنا سکے گا۔ کیونکہ اس طرزِ عمل کو اپنانے کیلئے جس بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے اُس کے پاس وہ بنیاد ہی موجود نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

تسخیر کائنات کا پہلا قدم جیت / جیت کی سوچ کو اپنانا ہے۔ اس کا مطلب ہے اپنی ذات کے تنگ حصار سے باہر نکل کر اپنے آپ کو انسانیت کے وسیع سمندر میں شامل کر لینا۔۔۔ محض اپنے نفع کی طرف دیکھنے کی بجائے ہر ایک کے نفع کو ملحوظ خاطر رکھنا۔۔۔ اپنی ذات کی طرح ہر ایک کا ہمدرد اور خیرخواہ ہونا۔۔۔ ہر کسی کی بھلائی کے متعلق سوچنا۔۔۔ اپنے آپ کو جاننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی جاننا اور اُن کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھنا۔۔۔ باہمی معاملات میں ایسے طریقے اپنانا جن میں تمام متعلقہ لوگوں کیلئے فائدہ اور اطمینان کا پہلو ہو۔

❁❁❁❁❁

منہاج القرآن اسلامک سنٹر رضوان گارڈن

6Th تا میٹرک
ایجوکیشن سسٹم

اپریل 2009ء سے اب تک قدم بقدم کامیابی کی طرف
حفظ القرآن کی سعادت کے ساتھ (معہ تجوید)

انگلش میڈیم: میٹرک سائنس کے ساتھ
محنتی اساتذہ اور روحانی اخلاقی تربیت کا موثر نظام

ھاسٹل کا بہترین نظام (بوائز)
پرائمری پاس طلباء طالبات کے لئے داخلہ شروع

یکم مارچ سے کلاسز کا آغاز
داخلہ ٹیسٹ پاس کرنا ضروری ہوگا

منہاج القرآن اسلامک سنٹر رضوان گارڈن کینال بنک روڈ لاہور
042-36525173
0300-8426841

اے انقلابی ساتھیو! بڑھتے چلو بڑھتے چلو

لانگ مارچ کے اثرات، آئینی و قانونی اداروں کے "کردار"، مارچ کے بعد کی صورت حال اور پاکستان کے روشن اور مستحکم انقلابی لائحہ عمل پر مشتمل خصوصی رپورٹ

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ تناظر میں ملکی مسائل کا واحد حل نظام کی تبدیلی ہے؛ یعنی ایک ایسا نظام جو معاشی و سماجی انصاف پر مبنی ہو۔۔۔ جس میں عدل و مساوات کا راج ہو۔۔۔ جس میں حکمران عوام کے خادم بن کر کام کریں نہ کہ آقا و مولا بن کر رہیں۔۔۔ جس میں عوام کے حقوق ان کی دہلیز پر میسر ہوں۔۔۔ جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔۔۔ جس میں کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو اور جو معاشرہ طلبِ حقوق کی بجائے ادائیگیِ فرائض کا مثالی مظہر ہو۔ لیکن موجودہ آئینی و جمہوری ڈھانچے میں رہتے ہوئے یہ تبدیلی نظامِ انتخابات کی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں انتخابات کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ شفاف انتخابات کا ہمیشہ فقدان رہا ہے۔ ماضی میں ملک میں انتخابی قوانین موجود ہونے کے باوجود نہ تو کبھی ان قوانین کو درخورِ اعتنا سمجھا گیا اور نہ ہی ان کی پابندی کا لحاظ رکھا گیا۔

انتخابی قوانین اور آئینی تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے جو بھی انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں ایسی اسمبلیاں وجود میں آئیں جن میں اکثر و بیشتر ایسے لوگ انتخابات جیتے کہ اگر انہیں آئین اور قانون کے معیارات کے مطابق جانچا جاتا تو وہ شاید پارلیمان میں پہنچنے کی بجائے جیل پہنچتے۔ جعلی ڈگریاں، ٹیکس چوری اور بیسیوں دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والے آئین اور قانون کی اسی چشم پوشی کے باعث پارلیمان میں متمکن ہونے کے قابل ہوئے۔ اس قوم نے وہ منظر بھی دیکھا کہ حکومتی وزیر سرعام میڈیا پہ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ کرپشن معاشرے کا حصہ ہے۔ گویا کرپشن کو ایک کلچر کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہ کسی المیہ سے کم نہیں ہے۔

لانگ مارچ۔۔ بیداریِ شعور میں اہم کردار

اندریں حالات مسائل کا حل یہ تھا کہ موجودہ قانون کو فعال بنایا جائے اور اس کا نفاذ یقینی بنایا جائے۔ قائد تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا 14 جنوری کا لانگ مارچ اس سلسلے میں ملکی تاریخ میں بہت بڑا مؤثر قدم تھا جس نے نہ صرف عوام میں شعور بیدار کیا کہ نمائندہ بننے کا اہل کون ہے بلکہ عام آدمی کو اس سے بھی آگاہ کیا کہ وہ کون سے آئینی معیارات اور تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنے کے بعد ہی کوئی شخص اس دعویٰ کا اہل ہوسکتا ہے کہ وہ عوامی نمائندگی کے لیے امیدوار بنے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ الاسلام کی قیادت میں ہونے والے لانگ مارچ اور پھر اسلام آباد میں پارلیمنٹ کے سامنے پانچ روزہ دھرنا ملکی تاریخ ہی نہیں بلکہ حالیہ عالمی تاریخ کا نادر اور عدیم المثال واقعہ ہے۔ بغیر کسی تشدد اور دہشت گردی کے اتنے طویل لانگ مارچ اور دھرنا کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جہاں اس لانگ مارچ

اور دھرنے سے پاکستانی قوم کا ایک منظّم قوم ہونے کا image دنیا کے سامنے آیا، وہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ اگر قوم کو صحیح رہنمائی فراہم کی جائے، انہیں حقائق سے آگاہ کیا جائے، انہیں اپنی اہمیت کا احساس دلایا جائے اور قانون و آئین میں موجود ان اقدامات سے آگاہ کیا جائے جو نظام کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے ضروری ہیں تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا ملک بتدریج ایسے انقلاب کی طرف بڑھنے نہ لگے جو ہمیں اپنی منزل سے آشنا کرنے کا باعث ہوگا۔

یاد رکھیں کسی بھی معاشرے میں اس وقت تک تبدیلی نہیں آ سکتی جب تک قوم تبدیلی کی ضرورت اور اس کے تقاضوں سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہو۔ مجموعی طور پر چار بنیادی اُمور تبدیلی کا تقاضا کرتے ہیں:

1۔ یہ ایک منتشر (scattered) اور پارہ پارہ قوم ہے جسے اتحاد اور یگانگت کی سخت ضرورت ہے تاکہ دوبارہ وحدت کے رشتے میں پروئی جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کیلئے حقیقی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

2۔ پاکستانی قوم مایوسی کے گرداب میں دھنستی جا رہی ہے، اسے یاس و ناامیدی کی دلدل سے نکال کر امید اور یقین کے نور سے بہرہ ور کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی حقیقی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

3۔ بدقسمتی سے ہماری قوم بے مقصدیت کا شکار ہوگئی ہے۔ اِس کے سامنے ایسا کوئی نصب العین نہیں جو ٹکڑوں میں بٹ کر منتشر ہو جانے والے جتھوں کو ایک اکائی میں پرو کر متحد کر سکے؛ جو سب کو بحیثیت ایک قوم کے جینے اور ترقی کرنے کا سلیقہ سکھا سکے۔ بے مقصد قوم کو مقصد اور آگہی کا شعور دینے کے لیے حقیقی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

4۔ ہماری قوم بے سمت ہوگئی ہے۔ کراچی سے خیبر پختونخواہ تک اور کشمیر سے چمن کی سرحدوں تک من حیث القوم اس کی کوئی سمت ہی نہیں رہی۔ اس کی سوچیں، وفاداریاں، مفادات، ترجیحات اور ایجنڈے سب متضاد ہیں۔ اٹھارہ کروڑ عوام کا بے ہنگم ہجوم ایک قوم، ایک وحدت اور اکائی بن کر ایک مقصد کے ساتھ ایک سمت کی طرف چل پڑے؛ لیکن یہ کیسے ممکن ہوگا؟ اس کے لیے ایک ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت ہے۔

انتشار، مایوسی، بے مقصدیت اور بے سمتی میں مبتلا قوم مجموعی طور پر اکثر شعبہ ہائے حیات میں زوال پذیر ہوتی جا رہی ہے اگرچہ انفرادی اور گروہی طور پر اس کی کارکردگی قابلِ رشک ہے۔

تحریکِ منہاج القرآن اپنے قیام کے وقت سے ہی قوم کو مقصدیت سے رُوشناس کرانے کے لیے سرگرمِ عمل رہی ہے۔ اس کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ہر طبقۂ فکر کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا پیغام ان تک پہنچایا۔

موجودہ جمہوری حکومت کی گزشتہ پانچ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ پاکستان کا بڑے سے بڑا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو تمام اپوزیشن جماعتوں کا کبھی اتفاق رائے نہیں ہوسکا۔ پاکستان کی داخلی و خارجی سکیورٹی کا مسئلہ ہو، دہشت گردی کے خطرات ہوں، بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کا معاملہ ہو یا سرحدوں پر ہونے والی دراندازی درپیش ہو، کسی بھی اَہم قومی ایشو پر ان کا اکٹھ نہیں ہوا۔ لیکن ان کی عوام دشمنی اور اپنے حقوق کے تحفظ کا کیا کہیے کہ ایک دوسرے کو شدید برا بھلا کہنے والی تمام اپوزیشن جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر اُس 'جمہوریت' کو بچانے کے لیے جمع ہوگئیں جو عوام کی بجائے ان کے اپنے مفادات کی محافظ تھی۔ کاش! یہ مفاد پرست سیاست دان اپنی سیاست و سیادت بچانے کی بجائے ریاست کو بچانے کے لیے متحد ہو جائیں۔

اسلام آباد لانگ مارچ نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے سیاست دان اور پارٹی رہنما اپنے اپنے ذاتی و جماعتی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں، ملک وقوم کے لیے کام نہیں کرتے۔ جب کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ملک وقوم کی بات کی ہے، انہوں نے عوام کی بات کی ہے، انہوں نے غریبوں کی نمائندگی کی ہے، انہوں نے مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے تحفظ کی بات کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے پیچھے صرف اور صرف عوام تھی؛ کوئی ایجنسی، کوئی حکومت یا غیر جمہوری طاقت ان کی پشت پناہ نہ تھی۔ اس طرح شیخ الاسلام عوامی اتحاد اور قوت کا عظیم مظہر بن کر سامنے آئے کہ جو کسی بھی لالچ اور منصب و اقتدار کی خواہش کے بغیر صرف اور صرف عوام کی خدمت کے لیے میدان عمل میں اترے۔ اُن کا عزم و ہمت، جذبہ و استقامت اور صدق وخلوص اِس اَمر کی غمازی کررہا ہے اگر انہیں خدمت کا موقع دیا گیا تو وطن عزیز ایسی ترقی کرے گا کہ دنیا اسے رشک کی نگاہ سے دیکھے گی۔

پھر کیا ہوا؟

محترم قارئین! اس لانگ مارچ کے بعد کیا ہوا؟ بڑے بڑے حکومتی ایوان، عوام کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والی نام نہاد سیاسی جماعتیں اور آئین و قانون کے محافظ ادارے کس طرح بے نقاب ہوئے؟ آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی طرف سے کئے گئے مطالبات پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں تاکہ مکمل تصویر ہمارے سامنے آسکے:

1۔ انتخابات کے انعقاد کے لیے 90 دن کا وقت ہو تاکہ نگران حکومتوں اور الیکشن کمیشن کے لیے کسی قسم کی اصلاحات کے نفاذ یا امیدواروں کی اہلیت کی جانچ پڑتال کے لیے مناسب وقت میسر آئے۔

2۔ کاغذات کی جانچ پڑتال اور آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کے تحت امیدواروں کی اہلیت کا جائزہ لینے کے لیے سات دن کی بجائے ایک ماہ کا وقت دیا جائے تاکہ الیکشن کمیشن امیدواروں کی اہلیت کا تعین کر سکے۔

3۔ انتخابی اصلاحات کے بارے میں اعلامیے میں اتفاق کیا گیا کہ انتخابات سے پہلے آئین کی 62، 63 اور 218 (3) پر عمل درآمد پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ عوامی نمائندگی ایکٹ 1976ء کے آرٹیکل 77 تا 82 اور سپریم کورٹ کے انتخابی اصلاحات 8 جون 2012ء کو صادر ہونے والے فیصلے پر من وعن عمل درآمد کروایا جائے (یہ آرٹیکلز انتخابات کی آزادانہ، منصفانہ، شفاف اور ایمان دارانہ بنیادوں پر انعقاد اور ہر قسم کے بدعنوانانی کے معمولات کے تدارک سے متعلق ہیں)۔

4۔ الیکشن کمیشن کی تشکیل نو کی جائے کیونکہ موجودہ الیکشن کمیشن کے ممبران کا تقرر آئین کے آرٹیکل 213 اور 218 کے مطابق نہیں ہوا۔ (درج بالا چار مطالبات میں سے تین مطالبات کی تفصیلات کے لئے گذشتہ شمارہ فروری 2013ء ماہنامہ منہاج القرآن ملاحظہ فرمائیں)

محترم قارئین! یہ وہ مطالبات ہیں جنہیں اسلام آباد لانگ مارچ اعلامیہ کا حصہ بنایا گیا۔ ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ آنے والے انتخابات کو شفاف اور منصفانہ بنایا جاسکے اور ان انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آنے والی پارلیمان ایسے اراکین پر مشتمل ہو جو آئین اور قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے والے اور آئینی معیارات پر پورا اترنے والے ہوں۔ یہ لانگ مارچ کی تاریخی کامیابی تھی کہ لانگ مارچ اعلامیہ کے ان اقدامات کو عوامی سطح پر بھرپور پذیرائی حاصل ہوئی اور قوم و

ملک کا درد رکھنے والے ہر ذی شعور شخص اور ادارے نے اسے اپنے دل کی آواز قرار دیا۔

اگر اِن تمام اُمور کا دیانت دارانہ جائزہ لیا جائے تو یہ اَمر کماحقہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ان قوانین اور تجاویز پر مکمل عمل درآمد کی صورت میں جو اسمبلی منتخب ہوکر آئے گی - چاہے اُس کے اراکین کا تعلق کسی بھی پارٹی سے ہو - وہ آئین کے مطابق سمجھ دار و باصلاحیت، پارسا، غیر فاسق و نیک اور صادق و امین (sagacious, righteous and non-profligate, honest and ameen) قیادت کے طور پر ملک کو deliver کرنے کے قابل ہوں گے؛ نیز وہ حقیقی معنوں میں عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کرسکیں گے۔ ایسی قیادت ہی ملکی وسائل کو تلاش کرنے، بڑھانے اور صرف کرنے کے لیے مثبت پیش رفت کرسکے گی۔ مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، بے روزگاری، کرپشن اور دیگر مسائل کا حل بھی تبھی ممکن ہوگا جب اہل، باصلاحیت اور دیانت دار لوگ اسمبلیوں میں عوام کی نمائندگی کر رہے ہوں گے۔

الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل

حکومتی نمائندوں نے ان تمام مطالبات کو تسلیم کیا، اس پر عملدرآمد کا یقین دلایا مگر الیکشن کمیشن کی تشکیل نو کے لئے راضی نہ ہوئے۔ جبکہ ہمارا مطالبہ تھا کہ یہ الیکشن کمیشن غیر آئینی طور پر تشکیل پایا ہے۔ اس لئے کہ آئین کے مطابق الیکشن کمیشن کے 5 ارکان کی سلیکشن 15 ناموں میں سے کی جاتی ہے۔ چاروں صوبوں سے ہر پوسٹ کے لئے بھیجے جانے والے تین ناموں کو پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پارلیمانی کمیٹی ان تینوں امیدواروں کو باقاعدہ سننے کے بعد ہر تین میں سے ایک رکن کی تقرری کرتا ہے مگر موجودہ حکومت نے آئینی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے براہ راست تقرریاں کرکے ضابطے کو یکسر نظر انداز کردیا۔ موجودہ ارکان الیکشن کمیشن کو سنا ہی نہیں گیا بلکہ کمیٹی نے خود ہی تمام نام فائنل کئے۔

مزید یہ بھی کہ یہ کمیشن دو سیاسی جماعتوں کے آپس کے مک مکا کا نتیجہ ہے۔ لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انتخابات کے لئے آئین و قانون میں موجود جملہ آرٹیکلز کا نفاذ الیکشن کمیشن نے ہی کرنا ہوتا ہے اور وہ ادارہ جو خود غیر آئینی و غیر قانونی طریقہ سے سیاسی جماعتوں کا احسان مند ہوکر معرض وجود میں آیا ہو وہ کس طرح قانون و آئین کی بالادستی کو یقینی بناسکتا ہے بلکہ وہ تو فطرتی طور پر اپنے ''محسنوں'' کو ہر قدم پر ''رعایت اور مدد'' فراہم کرے گا۔

حکومتی ارکان کے مطابق الیکشن کمیشن کی تحلیل میں آئینی رکاوٹ حائل ہے، ان کے اس حوالے سے کوئی بھی اقدام کرنے پر معذرت کے بعد شیخ الاسلام نے اس حوالے سے سپریم کورٹ جانے کا اعلان کیا۔

عدالت عظمیٰ اور ''عدل و انصاف''

شیخ الاسلام نے سپریم کورٹ میں پیش ہونے کے لئے تمام آئینی و قانونی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے 33 صفحات پر مشتمل پٹیشن تیار کی۔ جس میں اس موقف کو اختیار کیا کہ

الیکشن کمیشن کی تشکیل غیر آئینی طریقہ سے ہوئی ہے لہذا اسے ختم کرنے کے لئے کسی آئینی طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کسی حکم یا ادارہ کو ختم کرنے کا آئینی طریقہ اس وقت اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے

جب اس کی تشکیل کے وقت بھی آئین و قانون کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ الیکشن کمیشن کی تشکیل میں آرٹیکل 213 اور 218 کو پیش نظر رکھا ہی نہیں گیا لہذا یہ اول دن سے ہی غیر آئینی و غیر قانونی ہے لہذا سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ ہی اس کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

مگر افسوس! جس ادارہ سے عدل و انصاف کی توقع تھی اس نے اس پٹیشن پر ایسا رویہ اور طریقہ اختیار کیا جو پاکستان کی عدلیہ کی تاریخ میں ایک بدنما داغ کے طور پر ہمیشہ موجود رہے گا۔

سپریم کورٹ نے الیکشن کمیشن کی تحلیل کے حوالے سے اس درخواست کو سماعت کے لئے قبول کیا اور 11 فروری کو باقاعدہ پہلی سماعت کا وقت مقرر کیا۔ کیس کی سماعت کے لئے تین رکنی بنچ تشکیل دیا گیا۔ یہ سماعت تین دن تک ہوتی رہی۔ سماعت کے پہلے دن سے ہی اصل کیس کے بجائے سپریم کورٹ نے شیخ الاسلام کی کینیڈا شہریت کو وجہ بناتے ہوئے دوہری شہریت کے حوالے سے سوالات کرنا شروع کردیئے اور جب دہری شہریت کے حوالے سے بھی شیخ الاسلام نے ان کے ہر سوال کا جواب دیا تو بنچ نے ان جوابات کو نظر انداز کرتے ہوئے حق دعویٰ پر ثبوت طلب کرنا شروع کردیئے اور بالآخر ''دہری شہریت والوں کی وفاداری تقسیم ہوتی ہے'' اور ''حق دعویٰ ثابت نہیں ہورہا'' جیسے الفاظ کے ساتھ 3 دن بعد پٹیشن کو خارج کردیا۔ ان تین دنوں میں شیخ الاسلام کا جانبدارانہ عدالتی اور میڈیا ٹرائل جاری رہا اور اصل پٹیشن کا ایک لفظ بھی نہ سنا گیا اور نہ ہی پڑھنے دیا گیا۔

سپریم کورٹ نے اصل پٹیشن کو سننے کے بجائے زیادہ تر بحث دہری شہریت پر ہی جاری رکھی اور ایک عام شہری کی حیثیت سے آئین کے آرٹیکل 184 کے تحت بھی کسی بھی اقدام یا تقرری کو چیلنج کے حق کے تحت بھی دلائل نہ دینے دیئے گئے۔ عدالت عظمیٰ کی جانب سے دہری شہریت کے حصول کے لئے اٹھائے گئے حلف کو بار بار موضوع بحث بنانے پر شیخ الاسلام نے جب معزز جج کی توجہ ان ہی کے ایک غیر آئینی حلف کی طرف مبذول کروائی تو ''آئینہ اُن کو دکھایا تو برا مان گئے'' کے مصداق وہ طیش میں آگئے۔ سماعت کے دوران جب الیکشن کو ملتوی کرانے کی نیت کا الزام شیخ الاسلام پر لگایا اور اس حوالے سے کوئی ثبوت پیش کرنے سے بھی قاصر رہے تو اس معاملہ کو ہی گول مول کردیا اور وقفہ کے دوران ہی پٹیشن خارج کرنے کا فیصلہ لکھ لائے حالانکہ سماعت ابھی جاری تھی اور الیکشن کمیشن کے وکیل کے دلائل وقفہ کے بعد شروع ہوئے جس میں وہ اس خطاب کا حوالہ دینے میں ناکام نظر آئے جس کے ذریعہ انہوں نے الیکشن کے التواء کا الزام شیخ الاسلام پر لگایا۔

دہری شہریت کے آئینی احکامات وملکی قوانین

محترم قارئین! اب سپریم کورٹ کی اس منطق کا بھی جواب سن لیں جس کی رُو سے انہوں نے دہری شہریت کو باقاعدہ ایک جرم کے مترادف قرار دینے کی اپنی سی کوشش کی۔ پاکستانی آئین وقوانین کے مطابق 16 ممالک میں مقیم پاکستانیوں کو سوائے پارلیمنٹ کا رکن بننے کے تمام حقوق حاصل ہیں۔ پاکستان میں 1951ء سٹیزن شپ ایکٹ بنایا گیا تھا جس کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے 13 اپریل 1951ء کو منظور کیا تھا۔ اس قانون کی 23 شقیں تھیں جن میں وقت کے ساتھ ساتھ ترامیم کی گئیں۔ اس قانون کی شق نمبر 14 میں واضح طور پر پاکستانی شہریوں کو دہری شہریت اختیار

کرنے کی اجازت نہیں۔ البتہ 29 اگست 2002ء کو ایک نوٹیفیکیشن کے تحت پاکستان کے شہریوں کو کینیڈا سمیت 16 ممالک میں دہری شہریت حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

جب ملک پاکستان کا آئین ہمیں 16 ممالک سے دہری شہریت رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور آئین کے مطابق دہری شہریت رکھنا کوئی جرم نہیں تو شیخ الاسلام کی اصل پٹیشن کو چھوڑ کر محض دہری شہریت کو موضوع بحث بنانا کس کی بدنیتی کو واضح کرتا ہے، اس کا جواب ہر ذی شعور پاکستانی جانتا ہے۔

سوال تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے کوئی پارلیمنٹ کا رکن بننے کے لئے درخواست دائر نہیں کی تھی پھر اصل موضوع کو چھوڑ کر دہری شہریت پر سوالات کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ دہری شہریت والا بطور شہری الیکشن کمیشن کی تشکیل نو پر بھی قانون اور آئین کے مطابق سوال اٹھاسکتا ہے، یہ کوئی غیر آئینی عمل نہیں ہے۔ کم و بیش 70 سے 80 لاکھ پاکستانی غیر ممالک میں رہائش پذیر ہیں، جنہوں نے دہری شہریت کے باوجود ملک پاکستان کے لئے کیا کیا قربانیاں نہیں دیں، حتی کہ ہماری معیشت کا انحصار بھی ان پر ہے، ہم ہر بڑی قدرتی آفت میں امداد کے لئے بھی ان ہی کی طرف دیکھتے ہیں مگر ان قربانیوں کے باوجود ملک کے ایک اعلیٰ ادارے کی طرف سے ان کی وفاداری کو منقسم سمجھنا سمجھ سے بالا تر ہے۔ دوسری طرف دہری شہریت رکھنے والے کئی پاکستانی غیر ممالک میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں لیکن ان پر ان ممالک کی سپریم کورٹ نے کبھی دہری شہریت کا مسئلہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ کئی پاکستانی دہری شہریت رکھنے کے باوجود برطانیہ، کینیڈا، سویڈن، اٹلی وغیرہ سمیت کئی ممالک کے اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ ان تمام ممالک میں ان کی دہری شہریت کہیں رکاوٹ نہیں بنی اور نہ ہی دہری شہریت کی وجہ سے ان پاکستانیوں کے ساتھ وہاں امتیازی سلوک ہوتا ہے۔ پاکستان میں دہری شہریت رکھنے والوں کو طعنہ بنایا گیا لیکن ترقی یافتہ ممالک دہری شہریت والوں کو اہم منصب پیش کرکے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

افسوس! ہمارے انداز ہی نرالے ہیں۔ میمو گیٹ سکینڈل پر از خود نوٹس ایک ایسے شخص کے محض خط پر لیا جاتا ہے جو دہری شہریت کا حامل ہے اور گواہ اس کو لیا جاتا ہے جو امریکن ہے جبکہ انتخابی اصلاحات کے عمل کے آغاز کے لئے الیکشن کمیشن کو غیر جانبدار، مضبوط اور سیاسی وابستگی سے پاک کرنے کی غرض سے اگر شیخ الاسلام پٹیشن دائر کریں تو ''دہری شہریت'' کا لیبل لگا کر پٹیشن کو ناقابل سماعت قرار دیا جائے حالانکہ پوری دنیا میں امن، بین المذاہب ہم آہنگی اور اسلام کے پیامبر کے طور پر انٹرنیشنل میڈیا شیخ الاسلام کا تعارف ''پاکستانی اسلامی سکالر'' کے طور پر کرواتا ہے۔

تیری قامت سے گلہ ہے سب کو ورنہ شہر کے لوگوں سے تیرا جھگڑا کیا ہے

انتخابی اصلاحات پر الیکشن کمیشن کے اقدامات

لانگ مارچ کی اہمیت و اثرات کو نہ چاہنے اور قبول نہ کرنے کے باوجود الیکشن کمیشن بھی عوام الناس میں شیخ الاسلام کے مطالبات کی پذیرائی اور دباؤ برداشت نہ کرسکا اور اس نے بھی شروع میں ان تمام مطالبات پر مضبوط موقف اختیار کرتے ہوئے ان کے بہر طور نفاذ کا اعلان کردیا۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ سیاسی جماعتوں کے دباؤ اور اپنے ''محسنوں'' کے احسان کے آگے دم توڑ گیا اور

☆ سکروٹنی، پہلے 30 دن کا اعلان کیا، پھر 14 دن پر آیا اور پھر بالآخر 7 دن ہی کو حسب سابق برقرار رکھا۔

☆ جعلی ڈگری والوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا تو بڑوں بڑوں نے الیکشن کمیشن کو اس کی حدود یاد کروادیں۔ نتیجتاً معافی مانگ کر ڈگری چیک کرنے کے موقف سے بھی پیچھے ہٹ گیا۔

☆ اور پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ شیخ الاسلام نے سچ کہا تھا۔ الیکشن کمیشن کے ارکان نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ بااختیار نہیں، ان پر سیاسی دباؤ ہے، لہذا وہ انتخابات کو شفاف نہیں بناسکتے۔

ان تمام حالات و واقعات کے دوران الیکشن کمیشن نے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ایک اور منصوبہ بنایا۔ امیدوار کے لئے 6 صفحات پر مبنی نیا فارم تشکیل دیا گیا جس میں آئین و قانون کے مطابق شفافیت کو یقینی بنانے کے لئے تمام نکات کا ذکر کیا۔ شیخ الاسلام کے مطالبات میں سے بھی کئی نکات کو شامل کیا گیا۔ عوام الناس، میڈیا اور غیر جانبدار حلقوں میں الیکشن کمیشن کو پذیرائی ملی کہ الیکشن کمیشن نے حکومتی دباؤ قبول کرنے سے انکار کردیا ہے اور ڈٹ گیا مگر الیکشن کمیشن کے اس منصوبہ کو جو سیاسی جماعتوں کے ساتھ مک مکا کا نتیجہ تھا، شیخ الاسلام نے بے نقاب کردیا۔

الیکشن کمیشن نے جو فارم تشکیل دیا وہ بلاشک وشبہ آئین و قانون کے مطابق ہے اور شیخ الاسلام کے مطالبات میں سے بھی اکثر و بیشتر نکات شامل ہیں مگر اس کے صفحہ 2 اور صفحہ 3 پر ان تمام نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان سے بچنے کا چور راستہ بھی درج کردیا کہ اگر کوئی شخص فارم میں موجود نکات جعلی ڈگری، قرضہ معافی، ٹیکس نادہندگی، یوٹیلٹی بلز کی عدم ادائیگی کے حوالے سے کسی بھی عدالت سے، بینک کورٹ سے یا متعلقہ ادارے سے Stay لے آتا ہے تو وہ بھی الیکشن لڑنے کے اہل ہوگا۔

محترم قارئین! حقائق آپ کے سامنے ہیں۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آئین و قانون کی بالادستی کے لئے شیخ الاسلام کے مطالبات کن لوگوں اور کن اداروں کو ہضم نہ ہوئے اور کیوں نہ ہوئے؟ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوچکی ہے۔ شیخ الاسلام نے ان حقائق کو عوام تک پہنچانے اور ان کو ان کے حقوق دلانے کی کاوشیں ان کے اوچھے ہتھکنڈوں کی وجہ سے ختم نہیں کیں بلکہ سپریم کورٹ کی تاریخ کے اس بدترین فیصلہ کے بعد بھی اپنے پہلے سے اعلان کردہ عوامی انقلاب مارچ اور جلسہ ہائے عام کا سلسلہ جاری رکھا تاکہ حقیقت سے لوگوں کو آشنا کیا جائے اور سیاسی حوالے سے ان کی رہنمائی کی جائے، نیز اس بات کا تعین کیا جائے کہ خرابی کہاں ہے تاکہ اس خرابی کو ختم کرنے کے لئے پوری قوم یکسو ہوکر کاوشیں کرے۔

☆ غریب دشمن نظام کے خلاف عوامی انقلاب مارچ وجلسہ ہائے عام کے سلسلہ کا پہلا جلسہ پاکستان عوامی تحریک کے زیراہتمام گلشن اقبال گراونڈ گوجرانوالہ میں 15 فروری 2013 کو منعقد ہوا۔

☆ اس سلسلے کا دوسرا مارچ وجلسہ 17 فروری کو دھوبی گھاٹ گراؤنڈ فیصل آباد میں منعقد ہوا۔

☆ غریب دشمن نظام کے خلاف جاری جدوجہد کے سلسلہ کا تیسرا جلسہ 22 فروری کو سپورٹس گراؤنڈ ملتان میں ہوا۔

ان تمام مارچ اور جلسوں میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے قیادت کی اور خصوصی خطابات کئے۔ تمام جلسوں میں لاکھوں خواتین وحضرات نے خصوصی شرکت کی۔

پاکستان کے روشن اور مستحکم مستقبل کا انقلابی لائحہ عمل

عوامی انقلاب مارچ اور جلسہ ہائے عام کے سلسلہ کا آخری اور فیصلہ کن جلسہ لیاقت باغ راولپنڈی میں ۱۷ مارچ کو منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں لاکھوں خواتین وحضرات نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے درج ذیل نکات پر تفصیلی خطاب کیا:

۱۔ حالات کا تجزیہ ۲۔ امید و یقین ۳۔ Vision of Pakistan
۴۔ تبدیلی ۵۔ تبدیلی کیسے؟

آیئے! اس خطاب کا مطالعہ کرتے ہیں:

1۔ تجزیہ

2004ء میں میرے اسمبلی سے مستعفی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نظام کو اندر سے دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پارلیمنٹ سے عوام کو کچھ نہیں ملا اور نہ کچھ ملے گا۔ یہ پارلیمنٹ جیسے ادارے، یہ ملک کا نام نہاد سیاسی عمل اور so-called democracy یا آمریت سب کچھ مخصوص طبقات اور اشرافیہ کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہے۔ اس پورے process میں سے پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام کلیتًا خارج ہیں۔ 2004ء سے مستعفی ہونے کے بعد 2012ء آٹھ سال تک اس ملک کی سیاسی، انتخابی اور حکومتی استحصالی نظام کے خلاف میں نے تحریک منہاج القرآن، پاکستان عوامی تحریک اور خواتین، نوجوانوں وطلباء کی تنظیمات کے پلیٹ فارم سے عوامی سطح پر ملک میں تبدیلی اور انقلاب کے لیے بیدارئی شعور کی ایک مہم شروع کی جو آٹھ سال تک چلتی رہی۔

آٹھ سال کی بھرپور جدوجہد کے بعد 23 دسمبر کو مینار پاکستان پر اس Message کو عامۃ الناس تک عام کرنے کے لیے اور تبدیلی و انقلاب کا یہ شعور اور استحصالی نظام کے خلاف بغاوت کا یہ پیغام پاکستان کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع ہوا۔

ہم نے 23 دسمبر مینار پاکستان سے اس استحصالی، ظالمانہ اور غریب دشمن نظام کے خلاف آئینی و جمہوری جدوجہد سے پر امن احتجاج کا آغاز کیا۔ انتخابی اصلاحات کا ایجنڈا رکھا اور اوّل تا آخر آئین کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ نافذ کرنے اور اس پاسداری کی بات کی۔ اس تصور کو آگے بڑھانے اور حکومتی حلقوں، پارلیمنٹ پر پریشر بڑھانے اورعوام کی آواز کو مزید طاقت ور بنانے کے لئے 13 جنوری سے 17 جنوری تک ملک بھر سے لانگ مارچ کا انعقاد کیا اور 17 جنوری تک ایک عظیم الشان تاریخی دھرنا ہوا جس کی مثال نہ صرف پاکستان کی تاریخ میں بلکہ اقوام عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی کہ اتنا طویل، پُرامن اور عظیم دھرنا جمہوریت، امن، تبدیلی، عوام کے حقوق اور آئین کی بالا دستی کے لیے نہ کبھی ہوا نہ ہوسکے گا۔ اس دوران امن کا یہ عالم کہ ایک پتہ بھی نہ ٹوٹا، ایک شیشہ نہ ٹوٹا، معمولی سا act of vilence نہ ہوا۔ صبر و استقامت کی لازوال داستان، امن کی لازوال مثال، نظم ونسق و جمہوری طرزعمل کی لازوال مثال اور آئینی اور قانونی رویوں کی ایسی لازوال مثال قائم کی کہ اس دھرنے نے پاکستانی قوم کا امیج پوری دنیا کے اندر بلند کر دیا۔

جس قوم کو دہشت گرد قوم تصور کیا جاتا تھا، انتہاء پسند قوم تصور کیا جاتا تھا، جہاں بات بات پر لڑائی جھگڑا، فساد، گولی اور لاشیں گرتی تھیں اس قوم نے اقوام عالم کو دکھایا کہ پاکستانی قوم کا صرف یہ رخ نہیں یہ رخ بھی ہے کہ دنیا میں پاکستانی قوم

سے بڑھ کر کوئی قوم پر امن اور منظم نہیں۔ قوم نے بتا دیا کہ یہ وہ قوم ہے اگر اس کو قیادت ملے تو ساری قوم کا کردار پانچ دن کے اندر بدل سکتا ہے۔ توڑ پھوڑ کرنے والی قوم کو قیادت ملے تو نظم و نسق کی عدیم المثال پیکر بن سکتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان حضرات و خواتین صالحین اور صالحات کی مثال قائم کر دی اور طاقت کے باوجود تصادم کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

ہم چاہتے تو تصادم ہو سکتا تھا۔ جو چاہتے سب کچھ ہو جاتا مگر امن برباد ہوتا، جمہوریت ڈی ریل ہوتی۔ لہذا ہم نے جذبات پر قابو پانے اور امن کو کامیاب کرنے کی تاریخ میں ایک مثال قائم کی اور تاجدار کائنات سیدنا رسول ﷺ کی سنت کے مطابق مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔

ہم نے آئین و قانون کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا، عوام کے حقوق کے لیے اس نام نہاد جمہوریت کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا اور امن کے طریق سے نہ ہٹے۔ مذاکرات کا راستہ بھی اختیار کیا مگر اس ملک کے مزدوروں، غریب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں، تاجروں، کسانوں، ہاریوں، پسماندہ لوگوں اور عوام کے حقوق کے لیے طاقتوروں نے پہنچنے نہ دیا۔ اس لئے کہ قانون و آئین بھی طاقت وروں کے قبضے میں ہے، نام نہاد جمہوریت بھی طاقت ور اشرافیہ کے قبضے میں ہے، انہوں نے جمہوریت کی راہ سے بھی عوام تک ان کے حقوق کو پہنچنے کی اجازت نہ دی۔ ہم نے معاہدے پر امن مارچ کا اختتام کیا۔ ساری سیاسی قوتیں ایک طرف تھیں، اپوزیشن کی ساری جماعتیں ایک طرف لاہور میں جمع تھیں، گویا کل سیاسی اور مذہبی قیادتیں عوام کے حقوق کے خلاف جمع ہو گئیں۔

اس معاہدے کے نفاذ، انتخابی اصلاحات کے نفاذ، انتخابات کو ہر قسم کی دھاندلی سے پاک کرنے کے عمل کے نفاذ، کرپٹ، لٹیرے لوگوں کو انتخابی عمل سے نکالنے کے عمل کے آغاز، ستھرے نمائندے پارلیمنٹ تک پہنچانے کے عمل۔ الغرض ان تمام امور کا انحصار اس بات پر تھا الیکشن کمیشن آف پاکستان خود آئینی ہو، قانونی ہو، شفاف طریقے سے بنا ہو، وہ سیاسی جماعتوں کے مفادات کا محافظ نہ ہو۔ ایماندار ہو، غیر جانبدار ہو، منصفانہ الیکشن کروائے اور سیاسی مک مکا کے تحت الیکشن میں دھاندلی کے راستے نہ کھولے۔ لہذا ضروری تھا کہ اس الیکشن کمیشن کا خاتمہ ہو اور نیا الیکشن کمیشن آئین پاکستان کے آرٹیکل 213 کے مطابق بنایا جائے کیونکہ موجودہ الیکشن کمیشن آئین کے آرٹیکل 213 کے مطابق نہیں بنا تھا۔ اس کے لئے ہم نے قانون کا دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ وہاں سے عدل و انصاف عوام کو ملے گا مگر بدقسمتی کہ جس جگہ پر آئین کو شنوائی ملنی تھی وہاں آئین کو بھی سنا نہ گیا۔ جس جگہ قانون کی سماعت ہونی تھی وہاں قانون کی آواز کو بھی سننا گوارا نہ کیا گیا۔ جس جگہ عدل و انصاف کی بات ہونی تھی وہاں عدل و انصاف کی طرف جانا بھی گوارا نہ کیا گیا اور اصل موضوع پر آئے بغیر ایک غیر متعلقہ ایشو کے اوپر تین دن برباد کر کے غیر آئینی طریقے سے بنائے گئے الیکشن کمیشن کو تحفظ دیا اور اس تحفظ کے نتیجے میں انتخابات کو غیر شفاف، جانبدار اور کرپٹ بنانے کے تمام راستے ہموار کر دیئے۔

الیکشن کمیشن آئین کے آرٹیکل 213 کی شرائط کے مطابق نہیں بنا۔ اس بات کو حکومتی نمائندے، آئینی و قانونی ماہرین سب تسلیم کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ الیکشن کمیشن کے پانچوں ممبر بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ان کا تقرر غیر آئینی طریقہ سے ہوا ہے اس لئے انہوں نے بھی کبھی میری بات کو نہیں جھٹلایا۔ مزید یہ کہ میری پٹیشن کو خارج کرنے والے سپریم کورٹ کے تینوں جج صاحبان بھی جانتے ہیں کہ الیکشن کمیشن کے اراکین کی تقرری خلاف آئین ہوئی ہے اسی لئے انہوں نے میری اصل پٹیشن پر توجہ دینے کی بجائے دہری شہریت کے معاملات کو بے جا موضوع بحث بنا دیا۔ الیکشن کمیشن کی تشکیل پر کہا گیا کہ پہلے آپ کہاں تھے؟ میں پوچھتا ہوں کہ ہر مسئلہ پر Suo moto action لیا جاتا ہے،

کوئی خبر اخبار میں چھپ جائے یا ٹی وی پہ آجائے تب بھی طلب کر لیا جاتا ہے۔ یہ تو تین مہینے سے شور مچ رہا ہے، اس پر Suo moto action لے کر اپنے ضمیر کی آواز سے فیصلہ کیوں نہیں کرتے کہ آئین کے آرٹیکل 213 کے مطابق یہ مقرر ہوئے یا خلاف ورزی میں مقرر ہوئے۔

پارلیمنٹ Constitution کا ایک ادارہ ہے، اس کا بھی احترام ہے، مگر اس کے ممبران کا رویہ غلط ہو گا تو ممبران پر تنقید کا حق ہے۔۔۔ فوج بھی ادارہ ہے، بطور ادارہ اس کا احترام ہوگا۔ مگر کسی فوجی افسر کا ذاتی رویہ غلط ہو گا تو قوم کو تنقید کا حق ہے۔۔۔ عدلیہ بھی ایک آئینی ادارہ ہے، اس کا احترام ہے، مگر اس میں بیٹھنے والوں کا ذاتی رویہ غلط ہوگا، آئین اور انصاف کے خلاف تو قوم کو ان کا محاسبہ کرنے کا بھی حق ہے۔

الیکشن کمیشن غیر آئینی تھا، غیر آئینی ہے، قانونی طور پر ناجائز تھا ناجائز ہے۔ اب ایسے الیکشن کمیشن سے جائز انتخابات کی توقع کیسے کرتے ہیں؟ جس ادارے کی اپنی تشکیل، اپنا وجود شفاف طریقے سے نہیں بنا وہ پاکستانی قوم کو شفاف الیکشن کیسے دے سکتا ہے؟

ہم نے عوام کے حقوق کے لیے ہر دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر میڈیا ٹرائل بھی ہوئے، عدالتی ٹرائل بھی ہوئے، تہمتوں کے بازار گرم ہوئے، الزامات کی بوچھاڑ لگی، کردار کشی کی انتہاء کی گئی۔ میں ان تمام کو معاف کرتا ہوں۔ نہ میں نے پہلے کسی کو گالی دی، نہ آج دوں گا، نہ آئندہ کبھی دوں گا۔ میں گالی کا کلچر ختم کروانے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں، کردار کشی کا سیاسی کلچر ختم کرنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں۔ سیاست میں شرافت اور تہذیب لانے کے لیے جدوجہد شروع کی ہے۔ سیاست میں انسانی آداب واحترام اور حقوق پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کی ہے۔ آپ نے اگر سو گالیاں دیں، جھوٹی تہمتیں لگائیں، تو ہم کسی کا جواب نہیں دیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ خدارا! اس قوم کو تہذیب وثقافت اور ادب واحترام کا اچھا کلچر سکھایا جائے۔

کبھی کہا گیا کہ ان کے پیچھے امریکہ ہے، کبھی کہا گیا فوج ہے۔ میں نے پہلے دن کہا تھا کہ ہمارے پیچھے سوائے اللہ کی ذات کے اور کوئی نہیں ہے، آج بھی اللہ ہے کل بھی اللہ تھا اور آئندہ بھی اللہ ہو گا۔

قوم کو اعتماد دینے کی ضرورت ہے

یہ الزام بھی لگا کہ فنڈ کہاں سے آئے؟ آپ چار جلسوں کے فنڈز کی بات کرتے ہیں، اللہ کی عزت کی قسم! اگر اس ملک کا نظام بدل جائے، ملک کی قیادت دیانتدار لوگوں کے ہاتھ آجائے، ایماندار لوگوں کے ہاتھ میں آجائے، دوہری شہریتوں والے پاکستانیوں کا اعتماد قائم ہو جائے کہ پاکستان بھیجا جانے والا پیسہ کرپشن کی نذر نہیں ہو گا بلکہ جس مقصد کے لیے جائے گا وہیں خرچ ہوگا۔ اگر یہ اعتماد ایماندار، انقلابی قیادت کے ذریعے بحال ہو جائے تو تم چار جلسوں کے فنڈ پوچھتے ہو میں جواب میں کہتا ہوں کہ میں تمہیں ایک سال میں پاکستان کے بیرونی قرضے اتار کے دے سکتا ہوں۔ کیا World Bank! کیا IMF! کیا پیرس کلب! پاکستانی قوم بڑی غیرت مند قوم ہے، وہ خون کا قطرہ قطرہ پاکستان کے لیے بہادیتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان کے اعتماد کو بحال کیا جائے۔

قرضے اتارنے کی یہ بات میں سوچ سمجھ کر کر رہا ہوں۔ میں نے 32 سال پاکستانی قوم کی بے لوث خدمت کی ہے۔ ہمارے کردار میں اور باقی بہت سے اوروں کے کردار میں، فرق ہے۔ وہ لوگ جب بیرون ملک جاتے ہیں تو ان کے دن اور رات کے خرچے اور رات اور دن کے دھندے، ان کے کارکن اور پاکستانی قوم اپنی آنکھوں سے دیکھتی

ہے۔ ایسے لیڈروں کے نام پر قوم پیسے کیوں لٹائے گی؟ جبکہ میں نے 32 سال میں اپنے کارکنان اور تنظیمات سے ایک پیسہ تحفے اور نذرانے کے نام پر نہیں بٹورا۔ پوری دنیا میری بات سن رہی ہے، اگر ایک جملہ غلط ہو تو کوئی ردّ کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی سینکڑوں کتب اور ہزاروں خطابات کی 32 سال میں ایک روپے کی بھی رائلٹی اپنے اوپر حرام کر رکھی ہے، وہ بھی میری تحریک کے لئے ہمیشہ تک وقف ہے۔

جب یہ کردار آپ اپنے کارکنوں کو، پاکستانی قوم کو دکھائیں گے تو خدا کی قسم وہ اپنے منہ سے نوالہ بھی نکال کر پاکستان کا قرضہ اتارنے کے لیے قربان کر دیں گے۔ قیادت چاہئے، امانت چاہئے، دیانت چاہئے، کرپشن ختم ہو جائے اور لٹیرے لیڈروں کا راج ختم ہو جائے تو پاکستان آج بھی ملائشیا اور سنگاپور بن سکتا ہے۔

الحمدللہ میں چند سالوں میں پاکستان کے ہر بڑے گاؤں کو، یونین کونسل کو، ایک ایک ہسپتال، غریبوں کے مفت علاج، ہر یونین کونسل کو ایک سکول، تحصیل میں کالجز، ہر ضلع میں ایک یونیورسٹی اور ہر قصبے اور یونین کونسل کو ایک انڈسٹری دے سکتا ہوں اور یہ سب کچھ پاکستان کے بجٹ پہ بوجھ ڈالے بغیر باہر موجود پاکستانیوں سے پیسہ لا کر کروں گا۔ یہ ان پاکستانیوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ہوگا جن کے پاس دوہری شہریت ہے، جن کی دوہری شہریت کو طعن کیا جاتا ہے، جن کی وفاداری کو مشکوک کہا جا رہا ہے، جن کی وفاداری کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔

افسوس یہاں دہرے معیار قائم ہیں۔ دوہری شہریت کے ساتھ ایک شخص الیکشن کمیشن کے بارے میں درخواست لے کر تو عدالت میں نہیں جا سکتا کیونکہ وفاداری تقسیم ہے مگر الیکشن کمیشن نے اعلان کیا ہے کہ دوہری شہریت کا حامل اس ملک کا نگران وزیر اعظم بن سکتا ہے۔ دوہری شہریت کے شخص پر نگران وزیر اعظم بننے پر پابندی نہیں، صرف الیکشن لڑنے کی پابندی ہے۔ اب نہ وفاداری مشکوک اور نہ وفادری تقسیم۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا   سراسر موم یا پھر سنگ ہو جا

سپریم کورٹ نے ہماری اصل پٹیشن کو سماعت کئے بغیر اپیل خارج کر دی، اس سے شاید کئی لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ اب تبدیلی اور انقلاب کا راستہ رک جائے گا اور ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے، اب ان کی طاقت اور ہمت جواب دے جائے گی، نہیں، نہیں، نہیں۔ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ سارے ہتھکنڈے، یہ سارے غیر آئینی، غیر جمہوری اور غیر قانونی حربے اور ساری طاقتیں مل کر بھی اس ملک سے تبدیلی اور انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتیں۔ عوام اٹھیں گے، اپنے حقوق تک پہنچیں گے اور ملک کی تقدیر کو ان شاء اللہ بدل کر دم لیں گے۔

پاکستان کی موجودہ سیاسی و جمہوری صورت حال

سیاست نہیں - ریاست بچاؤ۔ میں آج بھی اسی نعرے پر قائم ہوں۔ سیاست کا مطلقاً ردنہیں کرتا۔ جو سیاست پاکستان میں رائج الوقت ہے یہ سیاست نہیں، خباثت ہے، یہ سیاست نہیں غلاظت ہے، اس کو رد کرتے ہیں۔ قائد اعظم کی سیاست کو سلام کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ کی اسلامی سیاست ہے۔ مدینہ کی ریاست کا قیام بھی مصطفوی سیاست ہے۔ سیاست دین کا حصہ ہے مگر جس سیاست کے ذریعے ریاست پاکستان بنی اور بچے گی وہ یہ سیاست نہیں جو آپ دیکھتے ہیں، جس کا نقشہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس سیاست اور اس نام نہاد جمہوریت میں ستھراپن نہیں، کرپٹ کلچر ہے۔

غیر جمہوری رویوں کے حامل ''لیڈرز''

لیڈروں کے رویے غیر جمہوری ہیں۔ یہاں تو اسمبلیوں کے آخری دن بھی ممبران اسمبلی کرپشن کے بہتے ہوئے دریا میں نہاتے رہے اور ہر MPA نے آخری دن یکم جولائی 2011ء سے یعنی پونے دو سال پیچھے کی تاریخ سے اپنی تنخواہیں ساٹھ فیصد بڑھا لیں۔ اب وہ کروڑوں روپے بقایا جات لے گا، یہ جمہوریت ہے۔۔۔ ایک اسمبلی کے وزیر اعلیٰ نے ستر فیصد تنخواہ اور الاؤنس بڑھا کر مرتے دم تک تاحیات منظور کروا لیا۔ اب اس اسمبلی کا ہر وزیر اعلیٰ مرتے دم تک، ریٹائر ہو کر بھی ستر فیصد مراعات لے گا۔ سات بل منظور کیے۔ سات بلوں میں ایک بل بھی عوام کے لیے منظور نہیں کیا کہ عوام کو روٹی دی جائے، عوام کو ستھرا پانی دیا جائے، عوام کو روزگار دیا جائے، عوام کو بجلی اور گیس دی جائے، عوام کو انصاف دیا جائے۔ چاروں صوبائی اسمبلیوں اور وفاقی اسمبلی ان پانچوں کو توفیق نہیں ہوئی کہ عوام کے حق میں ایک بل منظور کرتے۔ اب سابق وزیر اعلیٰ مرتے دم تک پرائیوٹ سیکرٹری بھی رکھ سکتے ہیں۔ بغیر وزیر اعلیٰ بنے کلرک، ڈرائیور، سیکورٹی، مالی، دس ہزار روپے موبائل فون کے لیے بل، ساری سہولتیں جنازہ اٹھنے تک ان کی بارگاہ میں رہیں گی۔ یہ جمہوریت ہے۔

اب اسی جمہوریت کا نقشہ ایک اور صوبائی اسمبلی ہے، اگر میری بات غلط ہو تو صدر پاکستان خود اس کی تردید کر دیں۔ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کے ہر ایک MPA کو اس پورے عرصے میں سو کروڑ روپے سے لے کر ڈیڑھ سو کروڑ روپے تک development fund کے نام پر رشوت دی گئی ہے۔ یعنی ایک ارب سے لے کر ڈیڑھ ارب روپیہ۔ اب لاکھوں کی بات نہیں رہی، millions کی بات نہیں رہی، چند کروڑوں کی بات نہیں، ڈیڑھ ڈیڑھ سو کروڑ روپے تک ہر ایک MPA کو پانچ سالوں میں development fund کے نام پر رشوت دی گئی۔ میں چیلنج کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ مجھے بلوچستان اسمبلی کے ایک MPA نے خود بتایا ہے، جنہوں نے یہ پیسے لئے ہیں۔ یہ جمہوریت ہے، عوام کہاں گئے؟ میں پوچھتا ہوں: اس جمہوریت میں عوام کا حصہ کہاں ہے؟ وہ ڈیڑھ ڈیڑھ ارب جو ایک ایک MPA کی نذر کیا جا رہا ہے اگر وہ عوام کے اندھیرے گھروں کو روشنی دینے پر خرچ ہوتا۔۔۔ بھوکوں کو لقمہ کھلانے پر خرچ ہوتا۔۔۔ پریشان حالوں کی بیٹیوں کی شادی پہ خرچ ہوتا۔۔۔ انہیں چھوٹے گھر بنا دینے پر خرچ ہوتا۔۔۔ ان کے روزگار پر خرچ ہوتا۔۔۔ تو ہم کہتے کہ یہ نظام جمہوریت ہے۔ یہ جمہوریت نہیں آمریت ہے اور غریب عوام کے لیے مجبوریت ہے۔

اب پنجاب کی اسمبلی کی طرف آ جائیں یہاں لوگ skilful ہیں، کرپشن کرنے کی technical مہارت ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں، پورے پانچ سال کے اندر پنجاب اسمبلی کی جو کابینہ ہے ایک وزیر کو چھوڑ کر باقی کسی ایک وزیر کا بھی کسی کو نام معلوم نہیں ہے کہ فلاں وزیر فلاں محکمے کا ہے؟ پانچ سال گزرے ہیں، صرف ایک صاحب ہیں جن کا نام دنیا جانتی ہے، اس لئے کہ تمام اختیارات تمام وزارتیں اسی ایک صاحب کے پاس تھیں۔ اس سے زیادہ بدترین آمریت تاریخ میں کبھی ہو سکتی ہے؟ اٹھارہ وزارتیں اور اٹھارہ محکمے صرف وزیر اعلیٰ کے پاس ہیں اور جس ملک میں ایک سپاہی اور پٹواری بھی محکمہ خود بھرتی نہ کر سکے اس ملک میں کیا قانون، کیا آئین، کیا جمہوریت، کیا انصاف؟ وہاں جنگلا بس کے پراجیکٹ ہیں، لیپ ٹاپ پروجیکٹ ہیں، سولر پینل کے پروجیکٹ ہیں۔ ارے جنگلا بس جو دو تین سال میں بالکل بند ہو کر کھڑی ہو جائے گی، ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس سے غریبوں کو روٹی ملی؟ وہ اربہا روپے غریبوں کی روٹی پہ لگائے ہوتے، یہ اربوں روپے بچا کر غریبوں کے لیے ادائیگی کر کے energy crisis ختم کیا ہوتا۔ لوگوں کو بجلی، گیس دی ہوتی،

جوانوں کو روزگار دیا ہوتا، مہنگائی کنٹرول کی ہوتی تو ہم کہتے کہ یہ نظام جمہوری نظام ہے۔ یہاں کے حکمرانوں اور لیڈروں کو عوام کے حقوق کا کوئی concept نہیں ہے۔

اسی طرح وفاقی حکومت نے بھی اپنی حکومت کے آخری دن ہفتے کی چھٹی ہونے کے باوجود تاریخ میں پہلی بار حکم دیا کہ بینک کھلے رہیں گے، ہم نے بڑے بڑے کام آخری دن کرنے ہیں۔ بینکوں پر ڈاکے ڈالے جانے ہیں، لوٹ مار ہونی ہے۔ افسوس آخری دن اسمبلیاں ختم ہونے سے بھی پہلے بینکوں پہ ڈاکہ زنی کو روکا نہیں گیا۔ لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ سیاسی لیڈروں نے تو لوٹ مار کرنی تھی، دکھ کی بات یہ ہے اس الیکشن کمیشن نے جس نے قوم کو شفاف الیکشن دینا ہے اس نے آخری دن کی ساری لوٹ مار کے لیے لیٹر جاری کر دیا کہ جائز ہیں۔ یہ ترقیاتی فنڈز ہیں جتنے چاہو اور نکالو، الیکشن کمیشن نے اجازت دی۔ الیکشن کمیشن کا فرض تھا کہ بینک بند کر دیتے، بینکوں کو حکم دیتے کہ پیسہ جاری نہ کیا جائے۔ حکومتیں جا رہی ہیں، کابینہ جا رہی ہے، اسمبلیاں جا رہی ہیں، بجائے خزانہ بچانے کے انہیں لیٹر دے دیا، جائز کر دیا۔ جو لوگ قوم کا خزانہ آخری ایک دن بھی بچا نہ سکے وہ ملک کے انتخاب کو لوٹ مار سے کیسے بچائیں گے۔ یہ اس میں شریک ہیں، یہ فریق ہیں۔

وزیراعظم صاحب 8 ماہ میں 37 ارب روپے صرف اپنے حلقے میں خرچ کر چکے ہیں۔۔۔ اور اسی ماہ مارچ میں گریڈ 22 کے اسلام آباد کے 100 افسروں کو ایک ایک کنال کا پلاٹ عطا کیا گیا۔ یہ نظام ہے، اسے آپ جمہوریت کا نام دیتے ہیں؟ یہ رویے غیر جمہوری ہیں، رویوں میں کرپشن ہے، رویوں میں بددیانتی ہے، رویوں میں شفافیت نہیں ہے، اداروں میں دھاندلی ہے۔ تمام سیاسی پارٹیز اپنے سیاسی مفادات کو دیکھتی ہیں۔

لوٹ مار کا بازار گرم رہے گا۔ الیکشن کمیشن اندھا بھی ہے، بہرا بھی ہے، گونگا بھی ہے اور ساری کرپشن میں برابر کا شریک بھی ہے۔ نگران وزیراعظم کے انتخاب پر اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ اس لئے کہ کوئی جماعت شفاف الیکشن نہیں چاہتی، ہر جماعت الیکشن میں جیتنا چاہتی ہے، دھاندلی چاہتی ہے، وہ چاہتی ہے ایسے caretakers آئیں جن کے ذریعے ان کی دھاندلی کو تحفظ مل سکے۔ Transparency نہ ہو، impartiality نہ ہو، honesty نہ ہو۔ اس کے لیے یہ سارا مک مکا ہو رہا ہے۔

نگران حکومت کا قیام۔۔ ایک ڈرامہ

ایک اہم بات سے پوری قوم کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ نگران گورنمنٹ کا ڈھونگ، ڈرامہ صرف پاکستان میں ہے۔ دنیا کی کسی بڑی democracy میں caretakers نہیں ہوتے، وہاں نظام ہوتے ہیں، شفافیت ہوتی ہے، institutions ہوتے ہیں۔ مدت ختم ہونے پر وہ صدر یا وزیراعظم خود الیکشن کرواتا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، ملائشیا، ترکی، جرمنی، انڈیا، ایران کسی بھی جگہ نگران حکومت قائم نہیں ہوتی۔ Caretaker کبھی نہیں آتے، انہوں نے نظام کے اندر اتنی مضبوطی، استحکام، شفافیت، اتنی آئینیت پیدا کر لی ہے کہ وہ کوئی بھی جماعت ہو پاور میں ہو وہ الیکشن میں دھاندلی نہیں کرواتی، ان کا اعتماد ہوتا ہے۔

امریکہ سے جا کے اقتدار کی بھیک مانگنے والو، ان کے طور طریقے بھی سیکھو۔ ہر فیصلے کے لیے لندن جانے والو! ان کے شفاف نظام کے طور طریقے بھی سیکھو۔ یہ حکومتیں خود الیکشن کراتی ہیں مگر الیکشن کمیشن اتنا مضبوط، خودمختار اور powerful ہے کہ حکومت کی مجال نہیں ہوتی کہ مداخلت کر سکے۔ جمہوریت اس نظام کا نام ہے۔ ایسے نظام پاکستان میں

لاؤ جس سے دھاندلی کا خاتمہ ہو جائے، شفافیت آ جائے، امانت و دیانت آ جائے، اداروں پر اعتماد ہو اور سیاسی لیڈر دھاندلی کا نہ سوچیں پھر ہم کہیں گے کہ اس ملک میں جمہوریت ہے اور یہ صحیح سیاست ہے۔ دنیا میں نگران حکومتوں کے قیام کے حوالے سے چار ملکوں کا نام بھی آتا ہے۔ ان ممالک کے نام سن کر آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ ان کرپٹ، نااہل اور نالائق سیاسی لیڈروں نے پاکستان کو کہاں لاکھڑا کیا ہے۔ ان ممالک میں کوسوا، پولینڈ، روانڈا اور نیپال شامل ہیں۔

اس لیے کہ ہم نے اپنے اداروں کو مضبوط نہیں کیا، عدل و انصاف کو طاقتور نہیں بنایا، transparency and accountability کو شفافیت نہیں دی۔ قانون کو مضبوط نہیں کیا۔ ہر طرف بدنیتی ہے، کرپشن ہے، دھاندلی ہے۔ ہر جماعت by hook or crook الیکشن جیتنا چاہتی ہے۔ افسوس اس پر ادارے خاموش ہیں اور اس کو سیاسی عمل کا نام دیا جا رہا ہے۔ جو اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اسے کہا جاتا ہے کہ خاص ایک ایجنڈے کے ساتھ آیا ہے۔ جو ظلم اور اندھیر نگری کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اسے کہا جاتا ہے کہ جمہوریت کو ڈی ریل کرنے آیا ہے۔ ظالمو! مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جمہوریت ہے کہاں، کون سی جمہوریت؟ دنیا تمہارا مذاق اڑا رہی ہے۔

مہنگائی اور دہشت گردی کا گراف

2008ء سے 2013 تک ان جمہوری حکومتوں نے پانچ سال میں کیا دیا؟ 2008ء میں پٹرول 56 روپے تھا آج 106 روپے فی لیٹر ہے۔۔۔ ڈیزل 39 روپے لیٹر تھا آج 110 ہے۔۔۔ سی این جی 30 روپے تھی آج 75 روپے ہے۔۔۔ امریکی ڈالر پاکستانی روپے کی قدر میں 68 روپے کا تھا آج 100 روپے کا ہے۔۔۔ آٹا 12 روپے کا تھا آج 38 سے 42 روپے کا ہے۔۔۔ چینی 27 روپے کی تھی آج 55 روپے ہے۔۔۔ دودھ 23 روپے کا تھا آج 70 روپے ہے۔۔۔ کوکنگ آئل 70 روپے کا تھا آج 190 روپے فی کلو ہے۔۔۔ یوریا کھاد 700 روپے تھی آج 1810 ہے۔۔۔ چائے 65 روپے تھی آج 145 روپے ہے۔۔۔ مرغی 71 روپے تھی کلو آج 145 روپے ہے۔۔۔ بڑا گوشت 120 روپے تھا آج 280 ہے۔۔۔ چھوٹا گوشت 330 تھا آج 580 ہے۔۔۔ دالیں 70 روپے کی تھیں آج 110 ہیں، کچھ دالیں 50 روپے کی تھیں آج 105 ہیں۔۔۔ بجلی کا یونٹ 3.13 پیسے تھا آج 9 روپے 38 پیسے ہے۔۔۔

سب سے بڑا یہ تحفہ اس قوم کو جمہوریت نے دیا کہ 5 سالوں میں اوسطاً روزانہ 12 ہلاکتیں ہوئیں۔ پانچ سالوں میں دہشت گردی کے نتیجے میں چالیس ہزار شہید ہوگئے۔ کراچی میں ہر روز درجنوں لوگ ٹارگٹ کلنگ سے شہید ہوتے رہے ہیں، بلوچستان بدامنی اور بغاوت کا شکار ہے وہاں ایک مکتبہ فکر سو سو لاشیں لے کر چار دن بیٹھتا ہے کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ خیبر پختونخواہ میں خون کی ہولی ہے، ہر شخص خوفزدہ ہے۔ اور 200 کے قریب گھر ہماری مسیحی بھائیوں اور بہنوں کے گھر جلا دیئے گئے، کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ ظالمو! قائداعظم نے پاکستان ان مقاصد کے لیے بنایا تھا؟ ان کی روح تڑپتی ہوگی۔

کیا اس لیے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے　　　بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

قائداعظم نے جو نشیمن بنا کے دیا تھا ہم اس نشیمن کو آگ لگا رہے ہیں اور سب ادارے تماشا دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ ہوگا ہم سب اس ظلم اور جرم کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ تو آج کا نقشہ تھا، مگر عزیزو، ماؤں، بہنو، بیٹیو، بزرگو، بھائیو، بیٹو مایوس نہیں ہونا، مایوس نہیں جانا، میں تمہیں امید کا چراغ تھما کر گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تمہارے دلوں میں یقین کا

چراغ جلا کر بھیجنا چاہتا ہوں، مایوس نہیں ہونا، پاکستان میں بڑا potential ہے، پاکستان بنا تھا اللہ کی مدد سے اور ان شاء اللہ قائم رہے گا، لٹیروں کا خاتمہ ہوگا، ایک دن آئے گا آپ جیتیں گے۔

آئین میں درج عوام کے حقوق

ہمارے آئین میں قوم کے ساتھ کچھ وعدے کئے گئے، میں وہ وعدے پڑھ کے سنانا چاہتا ہوں جس کی وفا نہ کی گئی۔

☆ آئین کے Preamble (پیش لفظ) میں ہے کہ پاکستان اسلامی اصولوں پر مبنی سماجی عدل و انصاف کا معاشرہ فراہم کرے گا، یہ وعدہ پورا ہوا۔۔۔؟

☆ اس آئین کے آرٹیکل 3 میں ایک وعدہ دیا تھا کہ لوگوں سے ہر قسم کا استحصال اور نا انصافی اس ملک میں سے ختم کر دی جائے گی اور جس میں جتنی صلاحیت ہے اس کو اتنا ملے گا۔ کیا انجینئر کو صلاحیت کے مطابق ملتا ہے؟ کیا ڈاکٹر کو اس کا روزگار ملتا ہے؟ کیا پی ایچ ڈی کو روزگار ملتا ہے؟ پی ایچ ڈی دھکے کھاتے ہیں اور جعلی ڈگریاں رکھنے والے ملک کے وزیر بنتے ہیں۔

☆ ہمارے بزرگوں نے اس آئین کے آرٹیکل 9 کے ذریعے وعدہ کیا تھا کہ اس ملک کے ہر شخص کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ کیا یہ وعدہ پورا ہوا؟

☆ اس آئین کے آرٹیکل 25 کے ذریعے وعدہ کیا تھا کہ تمام امیر اور غریب چھوٹے بڑے شہریوں کو برابری دی جائے گی اور قانون کا تحفظ ہر ایک کے لیے یکساں ہوگا، غریب اور امیر، طاقتور اور کمزور کا فرق اس ملک میں نہیں ہو گا۔ کیا یہ وعدہ پورا ہوا؟

☆ آرٹیکل 25 کے کلاز A میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس دھرتی پر پیدا ہونے والے ہر بچے کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے گا، کیا یہ وعدہ پورا ہوا؟

☆ اس آئین کے آرٹیکل 38 میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر بسنے والے ہر ایک شخص اور ہر ایک کنبے کی معاشی اور سماجی زندگی کو بہترین کیا جائے گا اور پیسے کی تقسیم منصفانہ ہوگی تاکہ امیر امیر تر نہ بنے، غریب غریب تر نہ بنے۔ مزدور اور مالک میں بھی فرق مٹایا جائے گا اور زمیندار اور کسان کا فرق بھی مٹایا جائے گا۔ کیا یہ وعدہ پورا ہوا؟

☆ اسی آرٹیکل 38 کی کلاز D میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ہر شخص کو عزت کے ساتھ کھانا ملے گا، لباس ملے گا، گھر ملے گا، کپڑا، مکان ملے گا، تعلیم ملے گی، علاج ملے گا، انصاف ملے گا، روزگار ملے گا۔ بلا تمیز ہر شخص کو یہ حقوق ملیں گے، کیا یہ وعدہ پورا ہوا؟

☆ آئین پاکستان میں کُل 280 آرٹیکلز ہیں ان میں سے پہلے 40 آرٹیکلز وہ ہیں جو عوام کے ساتھ کئے گئے وعدوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے 40 آرٹیکلز میں پاکستانی عوام کے حقوق اور وعدے ہیں، اس کے بعد 240 آرٹیکل پھر حکومت سے متعلق ہیں۔ 65 سال گزرے اس ملک کی پانچوں اسمبلیوں نے آج کے دن تک ان 40 کے 40 آرٹیکلز میں موجود وعدوں میں سے ایک وعدہ پورا نہیں کیا اور ایک وعدے کو بھی پورا کرنے کے لیے آئین کا کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ کیا ان حکومتوں کو اور اس سیاسی عمل کو اور اس نام نہاد جھوٹی جمہوریت کو آئینی جمہوریت کہا جائے؟ کیا یہ حکومتیں آئینی حکومتیں ہیں؟ اگر ان کے خلاف آپ علم بغاوت بلند کرتے ہیں تو یہ آپ کے خلاف کیوں نہیں اٹھیں گے؟

غریب کو جو وعدہ ملا وہ تو یہ تھا کہ غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں ہو گا مگر یہ وعدہ آئین کے کاغذوں پر لکھا ہوا ہے۔ آئینی وعدہ جب غریب کے ہاتھ میں آیا تو غریب شہری پاکستان کے خزانے کے پاس گیا۔۔۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کے پاس گیا۔۔۔ پاکستان کی عدالتوں کے پاس گیا۔۔۔ پاکستان کے حکمرانوں کے پاس گیا۔۔۔ لیڈروں کے پاس گیا کہ آئین میں درج وعدے کے مطابق میرا حق مجھے دو۔۔۔ تو سارے اداروں نے کہا کہ funds are insufficient کہ خزانے میں فنڈ نہیں ہیں۔

غریب کو کچھ نہیں مل سکتا، MPA کو ڈیڑھ ارب ہر ایک کو مل سکتا ہے، وزیروں کو پانچ پانچ اور 35، 35 ارب مل سکتے ہیں۔ غریب کے لیے کہا کہ خزانہ خالی ہے۔ ہم انکار کرتے ہیں کہ پاکستان دیوالیہ ہو گیا ہے خزانہ ختم ہو گیا ہے۔ پاکستان میں قومی وسائل ختم نہیں ہوئے، مگر ان وسائل پر ظالم قابض ہو گئے ہیں، ہمیں بڑھ کر انہیں چھیننا ہو گا۔ ہمارے حقوق لٹیرے چھین کے لے گئے، تمہیں بڑھ کے ان سے لینا ہو گا۔

لوگو! امید دلا رہا ہوں، یہ وقت ہے اٹھنے کا، اندھیری وادیوں سے اٹھو۔۔۔ ظلم اور ناانصافی کی وادیوں سے اٹھو۔۔۔ برابری، عدل و انصاف اور حقوق کی پہاڑیوں کی چٹانوں تک پہنچو۔ اللہ تمہیں سربلند کر دے گا۔۔۔ نفرتوں اور انتہاء پسندی کے ریتلے صحراؤں سے نکلو۔۔۔ محبت، رواداری، برداشت اور اعتدال کی عظمتوں تک پہنچو۔۔۔ جو سسٹم خدا نے دیا ہے اس کی بنیاد محبت ہے۔۔۔ اس کی بنیاد امید ہے۔۔۔ اس کی بنیاد برابری ہے۔۔۔ اس کی بنیاد عدل و انصاف ہے۔۔۔ اس کی بنیاد اعتدال ہے۔۔۔ اس کی بنیاد نفرت نہیں۔۔۔ لوٹ گھسوٹ نہیں۔۔۔ کرپشن نہیں۔۔۔ انتہاء پسندی نہیں۔۔۔ دہشت گردی نہیں۔۔۔ یہ دو الگ کلچر ہیں ایک کلچر خدا نے دیا ہے۔ ایک کلچر شیطان نے دیا ہے خدا والے بنو اور شیطان والوں سے جنگ کا آغاز کر دو۔ یہ 17 مارچ 2013ء ہماری جدوجہد کا آخری دن نہیں۔ 23 دسمبر سے آج 17 مارچ تک جدوجہد کا شعور بیدار کیا، اصل جدوجہد کا آج سے آغاز ہو رہا ہے۔

2۔ امید (hope)

اس نظام کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھنا ہے۔ اٹھو اور ظلم کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر دو۔۔۔ اٹھو پوری قوم کو کھڑا کرو اس وقت تک جب تک عدل و انصاف کا سورج طلوع نہ ہو جائے۔۔۔ آگے ایک وقت بڑی جلدی آنے والا ہے، پورا میڈیا آپ کو اس میں لگا دے گا۔ ٹی وی، اخبارات اس میں الجھا دیں گے۔ پوری قوم ایک مکر اور فریب میں مبتلا ہو جائے گی۔ یاد رکھ لینا! کرپشن، ظلم اور دھاندلی کے گلاس سے گدلا اور گندا پانی پی کر اپنی پیاس کبھی نہ بجھانا۔۔۔ میری نصیحت یاد رکھ لو! انتہاء پسندی اور دہشت گردی کے دسترخوان سے حرام کھا کر اپنی بھوک کبھی نہ مٹانا، بھوکے مر جانا مگر دہشت گردی کے دسترخوان سے حرام نہ کھانا۔

مکار سیاسی لیڈروں کے غلط وعدوں اور دھوکوں کی چمک خرید کر، جھوٹے وعدوں کی چمک لے کر اندھیروں میں نہ بھٹکنا۔۔۔ ریاست دشمن سیاست اور غریب دشمن نظام انتخاب کا حصہ بن کر جرم و گناہ کو مزید طاقتور نہ بنانا۔۔۔ اس غریب دشمن نظام - جو مئی میں آ رہا ہے - کا حصہ بن کر اس جرم، دھاندلی، کرپشن کے نظام کو طاقتور نہ بنانا۔ یاد رکھ لیں اگر مقصد فوری طور پر نہ ملے تو کوئی حرج نہیں مگر گدھوں کی طرح حرام پر نہ جھپٹنا۔

اے طائر لاہوتی، اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

گدھ نہ بننا اور گدھوں کی طرح نیچے اتر کر مردار کھا کر اپنے پیٹ نہ بھرنا بلکہ شہباز بنے رہنا اور شہبازوں کی طرح اپنی پرواز بلند رکھنا۔ منزل ایک دن تمہارے قدم چومے گی۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

لوگو! جو لوگ اس فرسودہ نظام کا حصہ بنیں گے وہ مایوسی کی وجہ سے بنیں گے کہ شاید اور کوئی راستہ نہیں۔ نہیں، ایک راہ بند سو راہ کھل جائیں گے۔ یاد رکھ لیں جس نظام سیاست نے، جس نظام انتخاب نے آپ کو 65 سال سے محروم رکھا ہے اور آپ کے ملک کو کمزور اور تباہ حال کر دیا ہے اور کرپشن کا راج کر دیا ہے اگر اسی نظام کو آپ دوبارہ ووٹ دے کر، انہی لٹیروں کو پھر طاقت دیں، پھر حکومت میں لائیں تو آپ مجرم ہوں گے۔ جو لوگ کرپٹ اور ظالم نظام میں ووٹ دیں گے وہ دراصل اس نظام کو قوت دیں گے، اس نظام کو سہارا دیں گے۔ اس دھن دھونس اور دھاندلی، کرپشن کے نظام کو ملک میں تبدیلی کے لیے جرأت کر کے ٹھکرانا ہوگا، حصہ نہیں بننا، ٹھکرانا ہوگا، ٹھکراؤ گے تو ان شاء اللہ رب کی مدد ملے گی۔

یہ جدوجہد کب تک جاری رہے گی؟

میں دنوں، مہینوں، ہفتوں اور سالوں کی بات نہیں کر سکتا۔ ہمیں عہد کرنا ہوگا کہ ہماری جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک غریبوں کے گھروں کو اجالا نہیں مل جاتا۔۔۔ جب تک بھوکوں کو باعزت طریقے سے نوالہ نہیں مل جاتا۔۔۔ جب تک کسان اپنی اگائی ہوئی زمین کا خود مالک نہیں بن جاتا۔۔۔ جب تک مزدور اپنی تخلیق کا پھل خود نہیں کھاتا اور مل کے منافع کے پچاس فیصد کا حصہ دار خود نہیں بن جاتا۔۔۔ جب تک عدل و انصاف پانی کی طرح ہماری سوسائٹی کو سیراب نہ کر دے۔۔۔ جب تک محبت اس ملک سے نفرت کا خاتمہ نہ کر دے۔۔۔ جب تک moderation اور اعتدال پسندی انتہاء پسندی سے کا خاتمہ نہ ہو جائے۔۔۔ جب تک امن اور آشتی ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ نہ کر دے۔۔۔ جب تک علم و شعور ملک سے جہالت اور ناخواندگی کا خاتمہ نہ کر دے۔۔۔ جب تک معاشی خوشحالی غریبوں کے چہروں پر خوشیاں واپس نہ لے آئے۔۔۔

مزدورو، محنت کشو، کسانوں، چھوٹے تاجرو، ماؤں، بہنو، بیٹیو، عظیم فرزندو! آج اس جلسے کے بعد مایوسی ختم کر کے اس یقین کے ساتھ گھر واپس لوٹو کہ نظام بالآخر ضرور بدلے گا۔ انقلابی تبدیلی بالآخر ضرور آئے گی، عوام خوشحال ہوں گے، ملک کا مستقبل روشن ہوگا مگر اس کرپٹ انتخابی نظام کے ذریعے نہیں، اس کرپٹ سیاسی کلچر کے ذریعے نہیں، ان کی دیواروں کو گرانا ہے اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے اس نظام کے خلاف بغاوت کرنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ، بلوچستان اور کشمیر و گلگت میں عدل وانصاف اور خوشحالی و ترقی کا سورج طلوع ہوگا مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈٹے رہو، تمہارے قدم لڑکھڑائیں نہیں۔۔۔ آنے والے وقتوں میں بدی کے ساتھ سمجھوتا نہیں کرنا، اس نظام کے خلاف بغاوت پر ڈٹے رہنا ہے۔

Vision of Pakistan -3

میں یہ دیکھتا ہوں کہ پاکستان میں جب تک یہ تبدیلیاں نہیں آئیں گی اس کے نظام میں، کبھی عوام کی تقدیر نہیں بدلے گی۔ پاکستان کے لیے ہمارا role model مدینہ ہے۔ جب آقا ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو سٹیٹ بنایا تو devolution of power دی اور participatory democracy دی۔ شراکتی جمہوریت دی اور اختیار کو نچلے درجے تک منتقل کیا۔ دس دس آدمیوں کے یونٹس پر ان کا سربراہ نقیب بنایا، دس دس نقیبوں کے اوپر پھر ان کا سربراہ عریف بنایا

اور سو سو عرفاء پہ مشتمل پھر پارلیمنٹ بنائی اور تمام اختیارات آپ ﷺ نے نیچے منتقل کر دیے۔

اختیارات کی نچلی سطح تک تقسیم

میں اہم تبدیلیاں suggest کر رہا ہوں۔ ان کے بغیر پاکستان کا مستقبل روشن نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اس نظام کو چھوڑنا ہوگا، ترکی کو دیکھئے، ترکی کی ساڑھے سات کروڑ آبادی ہے 81 صوبے ہیں۔۔۔ ایران کے ساڑھے چھ کروڑ کے قریب آبادی 30 صوبے ہیں۔۔۔ جاپان کی ساڑھے بارہ کروڑ سے زائد آبادی میں 47 صوبے ہیں۔۔۔ چائنہ کی ایک سو پینتیس کروڑ آبادی 33 صوبے ہیں۔۔۔ ملائشیا کی 3 کروڑ کے قریب آبادی 15 صوبے ہیں۔۔۔ امریکہ کی 30 کروڑ 13 لاکھ آبادی 50 اسٹیٹس ہیں۔۔۔ ویت نام کی 9 کروڑ آبادی اور 58 سٹیٹ ہیں۔۔۔ الجیریا کی ساڑھے تین کروڑ آبادی اور 48 صوبے ہیں۔۔۔ کینیا کی 4 کروڑ کے نزدیک آبادی ہے 26 صوبے ہیں۔۔۔ فرانس کی ساڑھے 6 کروڑ آبادی 26 صوبے ہیں۔۔۔ اٹلی کی ساڑھے 6 کروڑ کے قریب آبادی 20 صوبے۔۔۔ روس کی 14 کروڑ آبادی 83 صوبے۔۔۔ اور ہماری 18 کروڑ آبادی صرف 4 صوبے۔۔۔ اختیارات کو جمع کرنے کا اتنا بڑا شرم ناک تماشا دنیا میں ہمارے سوا کہیں نہیں۔

امریکہ جیسا ملک صرف 15 وزیر، ساڑھے انیس ہزار لوکل گورنمنٹس پورا امریکہ 1900 میئر، ناظم چلا رہے ہیں؛ اوباما نہیں چلا رہا۔ اوباما امریکہ کے اوپر کے معاملات کو دیکھتا ہے، عوام کے حقوق کو میئر چلاتے ہیں۔۔۔ یہی نظام ترکی، جاپان، چائنہ، ایران، ملائشیا اور بقیہ ملکوں کا ہے۔ ہمارے چار صوبے تاکہ گردنیں اکڑی رہیں، اختیارات بڑھیں۔ پاکستان واحد ملک ہے جس نے تماشا بنا رکھا ہے اور اختیارات مرکز کے پاس یا بڑے بڑے چار صوبوں کے پاس، عوام کلیتاً محروم۔

☆ میرے پاکستان کے ویژن کے مطابق کم سے کم 35 صوبے ہونے چاہئے۔

☆ فنڈ اس صوبے کے گورنر کو دے دیا جائے، دنیا کے کسی ملک میں انڈیا کے سوا، وزیر اعلیٰ نہیں ہوتا۔ کسی صوبے میں صوبائی وزراء نہیں ہوتے۔ پاکستان کے صوبوں سے وزیر اعلیٰ اور صوبائی وزارتوں کو ختم کرنا ہوگا تاکہ ارب ہا روپے کے فنڈ جو حرام خوری، عیاشی اور سرکاری پروٹوکول پہ جاتے ہیں وہ براہ راست غریبوں میں تقسیم ہو سکیں۔

☆ صوبے کا گورنر کمشنر کی جگہ انتظامات کو چلائے گا۔ ضلع پر میئر ہوگا اور تحصیل پر ڈپٹی میئر ہوگا۔ عوام کے منتخب نمائندے ان کے حکمران ہوں گے۔

☆ مرکز کے پاس صرف پانچ محکمے ہونے چاہیے تاکہ مرکز کی عیاشی بھی ختم کی جائے: صرف سٹیٹ بینک (کرنسی)، دفاع، خارجہ پالیسی، ہائیر ایجوکیشن، اِن لینڈ سکیورٹی اور کاؤنٹر ٹیررزم اس طرح کے پانچ سے سات محکمے مرکز کے پاس، باقی سارے محکمے صوبوں کو منتقل کر دیئے جائیں۔

☆ صوبوں کے بعد پھر وہ سارے محکمے ضلعی حکومتوں کو منتقل کر دیئے جائیں۔

☆ ٹرانسپورٹ بھی ضلعی حکومت کے پاس، پانی، بجلی، سوئی گیس، واٹر، فوڈ، ایجوکیشن، میڈیکل، سکیورٹی، سڑکیں، پولیس سب اختیارات ضلعی حکومتوں کو دے دیئے جائیں تاکہ وہاں کے ٹیکس وہاں لگیں اور لوگوں کو براہ راست دادرسی مل سکے۔

نظام حکومت کا پاکستانی ماڈل

☆ ہمارے ملک کا نظام پارلیمانی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ اس پارلیمانی نظام کو بدلو اور صدارتی بناؤ، پارلیمانی نظام

رہے مگر اس میں ایک مکسچر کرنا ہوگا، صدارتی اور پارلیمانی نظام دونوں کی خوبیوں کو جمع کر کے پارلیمانی نظام کا نیا پاکستانی ماڈل تیار کرنا ہوگا۔ صدارتی اور پارلیمانی نظام دونوں کی خوبیوں کو جمع کر کے پاکستان کے سیاسی حالات کے مطابق ایک پاکستانی ماڈل تیار کرنا ہوگا۔

☆ صدر تو آئین کے مطابق جیسے ہے ویسے ہی ہو مگر وزیراعظم کو پارلیمنٹ منتخب نہ کرے بلکہ پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام براہ راست ووٹ سے ملک کا وزیراعظم منتخب کریں۔ سارے لیڈروں کو ٹی وی پہ لایا جائے، ان کی صلاحیتوں کو پرکھا جائے، ان کے کردار کو پرکھا جائے، ان کے منشور پر بحث ہو۔ ان سے خارجہ پالیسی، دفاع، سکیورٹی، اکانومی، regional and geo-political policy، پاکستان، انڈیا، چائنہ relations پر debate کریں، ان کا ویژن دیکھیں۔ ساری قوم سنے اور سن کر فیصلہ کرے کہ اپنا وزیراعظم کس کو منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ ہر شخص براہ راست ووٹ دے۔

اب ہمارا وزیراعظم قائد ایوان ہوتا ہے، میرے دیئے ہوئے نظام کے تحت وہ قائد عوام ہوگا، میں وزیراعظم کو leader of the nation بنانا چاہتا ہوں۔ ہر شخص کے ووٹ سے جیتے تاکہ ہر شخص کا اپنے وزیراعظم کے ساتھ براہ راست تعلق ہوگا۔

☆ ہمارے ہاں وہ شخص وزیر صحت بنتا ہے جس کی اپنی صحت ہی کوئی نہیں، جس کو panadol کی گولی کے شاید spelling بھی نہ آئیں۔۔۔ وہ شخص وزیر زراعت بنتا ہے جس نے کبھی دیہات کا منہ ہی نہیں دیکھا۔۔۔ وہ وزیر دفاع بنتا ہے جو ہوش میں بھی نہ جانے کب آتا ہے؟ جسے دفاع کی الف بے جیم کا نہیں معلوم۔۔۔ وہ وزیر خارجہ بنتا ہے جو اس کے متعلق جانتا ہی نہیں۔۔۔ ہم ان پڑھ کو، ناتجربہ کار کو، نااہل کو اٹھا کے وزارت پہ بیٹھا دیتے ہیں اور وہ ٹھوکریں کھا کھا کر وزارت کے دوران سیکھتا ہے اور سیکھنے سے پہلے پھر تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے۔ میں اداروں سے پوچھتا ہوں کہ خاموش رہ کر اس تماشے کو کب تک برداشت کرو گے۔ میرا سوال ہر ادارے سے ہے، میرا حق ہے پوچھنا، عوام سے بھی پوچھتا ہوں، اداروں سے بھی پوچھتا ہوں، کیا اس طریقے سے آپ کا ملک ترقی کرے گا؟ آپ کے وزراء اپنے subject کے PhD ہونے چاہیے۔۔۔ تجربہ کار لوگ ہونے چاہییں، ٹیکنوکریٹس ہونے چاہییں۔۔۔ specialists ہونے چاہییں۔۔۔ بھلے وہ پارلیمنٹ سے ہوں یا باہر سے ہوں۔ یہ طریقہ امریکہ میں رائج الوقت ہے۔

☆ پارلیمنٹ کے ممبران کے ڈویلپمنٹ فنڈ بند کر دیئے جائیں، یہ فنڈ حرام خوری کے لیے نہیں ہیں۔ ان پارلیمنٹ کے ممبران کو ڈی سی، ایس پی، تھانیدار، پٹواری، تحصیلداران کی تقرریوں کے اختیارات نہیں ہونے چاہئیں۔ سوائے تنخواہوں کے ساری مراعات ان کی بند کر دی جائیں۔ پھر دیکھیں گے کہ 75 فیصد کرپٹ لوگ الیکشن لڑنا چھوڑ دیں گے۔ وہ کہیں گے جب حرام کا پیسہ نہیں ملنا تو خرچ کیوں کریں۔ تو جب وزیر خود نالائق ہوتے ہیں تو حکومت بیوروکریسی چلاتی ہے، پھر یہ نالائق لیڈر عمر بھر اسٹیبلشمنٹ کا رونا روتے ہیں کہ ہمیں اسٹیبلشمنٹ کرنے کچھ نہیں دیتی۔ تمہیں کیا کرنے دے، تمہیں کچھ آتا ہو تو کرنے دیں۔ تم تو ان پڑھ ہو، جاہل ہو، جعلی ڈگریوں کے لوگ ہو، کرپٹ ہو، تمہیں تو تجربہ نہیں ہے، بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ تمہیں کیا کرنے دے؟ اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو لائق لوگوں کو چن کر ملک کا وزیر بناؤ۔ دانش مند لوگوں کو لگاؤ اور ایم این اے کی موجودہ پوزیشنوں کو ختم کرو، انہیں صرف legislator بناؤ، قانون سازی کریں، تنخواہ لیں اپنے گھر جائیں۔

معاشی خوشحالی کی کلید

☆ میں اپنے Vision کے پاکستان میں غریب عوام کو ان کے حقوق دینا چاہتا ہوں۔۔۔ جاگیرداریت کو ختم کرنا چاہتا

تنظیمات متوجہ ہوں! مرکزی سیکرٹریٹ تحریک منہاج القرآن میں بعض انتظامی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ جن کی رو سے محترم شیخ زاہد فیاض کو مرکزی ناظم اعلیٰ اور محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی کو صدر پاکستان عوامی تحریک کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں۔ ذمہ داریوں کی تبدیلیوں کے ساتھ ان کے ای میل ایڈریسز بھی تبدیل کئے گئے ہیں۔ آئندہ خط و کتابت کیلئے درج ذیل ای میل ایڈریسز پر رابطہ فرمائیں:

☆ محترم شیخ زاہد فیاض (ناظم اعلیٰ) zahid.fayyaz@minhaj.org

☆ سیکرٹری ناظم اعلیٰ tahreek@minhaj.org

☆ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی (مرکزی صدر PAT) raheeq.abbasi@pat.com.pk

raheeq.abbasi@gmail.com

☆ سیکرٹری کوآرڈینیشن PAT info@pat.com.pk

☆ سیکرٹری مرکزی صدر PAT muhammad.qadeer@pat.com.pk

ہوں اور زرعی اراضی کی حد فی خاندان 50 ایکڑ مقرر کر دی جائے، اس سے زیادہ کسی کو اجازت نہ ہو۔۔۔ بے زمین کسان، مزارعین اور ہاری جتنی زمین بنجر ہے اس کو آباد کریں اور اس کے مالک ہو جائیں۔ جو زمین آباد کرے وہی مالک ہو۔

☆ میرے پاکستان کے ویژن میں ہر نوجوان کو روزگار ملے۔ جس کو روزگار نہ ملے اسے حکومت دس ہزار ماہانہ الاؤنس دے۔

☆ ہر بے گھر خاندان کو پانچ مرلے کا پلاٹ مفت دیا جائے اور آسان قسطوں پر قرض دیں کہ گھر بنا سکیں۔ میں پاکستان میں ہر غریب خاندان کو اپنے گھر کا مالک دیکھنا چاہتا ہوں۔

☆ استحصالی، سرمایہ داریت کا خاتمہ چاہتا ہوں تاکہ ملوں، فیکٹریوں کے مزدور اس کے منافع کے پچاس فیصد حصے کے مالک بن جائیں۔

☆ دہشت گردی کا کلیتاً خاتمہ اور پاکستان کو مسلمانوں کے لیے بھی اور غیر مسلموں کے لیے بھی امن کا گہوارا دیکھنا چاہتا ہوں۔

☆ مقامی حکومتوں کو سارے اختیارات منتقل کرنا چاہتا ہوں۔ ضلعی حکومتوں میں عوام کا منتخب نمائندہ ایس ایچ او بنے۔

☆ پورے ملک میں دوہرا نظام تعلیم ختم کرنا چاہتا ہوں امیر بھی وہی پڑھے گا اور غریب بھی وہی پڑھے گا۔

☆ خواتین کو برابر حقوق دینا چاہتا ہوں، معاشی تحفظ دینا چاہتا ہوں۔

☆ یونین کونسل، تحصیل کی سطح پہ عدالتوں کو فروغ دینا چاہتا ہوں اور ہر ڈویژن میں ہائی کورٹس قائم کرنا چاہتا ہوں۔

☆ امیروں پر ٹیکس زیادہ اور متوسط طبقے پر کم اور کل غریبوں پر ٹیکس ختم کرنا چاہتا ہوں۔

☆ سرکاری اور غیر سرکاری ملازم کی تنخواہوں کا فرق مٹانا چاہتا ہوں۔

☆ کرپٹ لیڈر، افسر اور جج ان ساروں کا احتساب چاہتا ہوں۔ اور لوٹی ہوئی دولت قوم کو واپس دلانا چاہتا ہوں۔

☆ صدر وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ کے صوابدیدی اختیارات ختم کرنا چاہتا ہوں۔

☆ غریبوں کو بجلی، پانی، گیس اور فوڈ۔ ان کے بلوں میں پچاس فیصد ٹیکس ختم کر کے رعایت دینا چاہتا ہوں۔

☆ متناسب نظام انتخاب رائج کرنا چاہتا ہوں۔ پارٹی لسٹ سسٹم جس میں ووٹ حلقہ کے شہنشاہ کو نہ ڈالے جائیں بلکہ پارٹی لیڈر کو، پارٹی منشور کو، قومی ایشوز کو، نیشنل پالیسیز کو ڈالے جائیں تاکہ صحیح قیادت منتخب ہونے کا موقع آجائے۔

الیکشن کمیشن کا ایک اور فریب

اس تمام situation میں ایسے پاکستان کو بنانے کے لیے نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ نظام انتخابات میرے ویژن کا پاکستان نہیں لاسکتے۔ الیکشن کمیشن نے جو فارم چھاپے ہیں، آپ حیران ہوں گے، جس پر شور مچا ہوا ہے کہ بدعنوانوں کو نکال دیں گے، اس کے اندر ایک فراڈ ہے، ایک جھوٹ ہے، دجل ہے، فریب ہے۔ ساروں کا مک مکا ہے۔ اس فارم کے صفحہ نمبر 2 پر سیکشن 4 موجود ہے۔ اس میں لکھ دیا ہے کہ جو شخص جتنا بڑا قرض لے کے کھا جائے، مگر کسی کورٹ سے stay کی پرچی لے آئے تو وہ الیکشن کے لیے اہل ہے اسمبلی میں جا سکتا ہے۔ صرف stay کی پرچی چاہئے۔۔۔ اس طرح یہ بھی درج ہے کہ جس نے لاکھوں کروڑوں کا ٹیکس میں سے ایک پائی بھی نہ دیا ہو وہ صرف ٹیکس کورٹ سے ایک stay کی پرچی لے آئے تو کوئی گرفت نہیں، وہ بھی الیکشن لڑ سکتا ہے اور اسمبلی میں جا سکتا ہے۔۔۔ ایک stay کی پرچی لانے پر قرض خور بھی گزر گئے، ٹیکس چور بھی گزر گئے، کئی چور دروازے تھے۔۔۔ صفحہ نمبر 3 کلاز 4 یوٹیلٹی بل کی وضاحت میں ہے کہ جتنا بھی نادہندہ ہو اگر stay لے کر آجائے، کسی عدالت کی ٹریبونل کی پرچی لے آئے تو اس کو بھی معافی ہے۔

صرف ان کو پکڑا جائے گا، روکا جائے گا جو اربوں کے قرض بھی لیں اور اتنے بیوقوف اور گدھے ہوں کہ کسی عدالت سے stay کی پرچی بھی نہ لے سکیں۔ اسے روکا جائے گا کہ پاگل تم نے لاکھوں، کروڑوں، اربوں کا قرض کھایا مگر 5 یا دس لاکھ دے کر بینک کی کورٹ سے stay بھی نہیں لا سکے؟ تم اسمبلی میں جانے کے قابل نہیں ہو اس لئے نہیں کہ ٹیکس چوری کی بلکہ اس لئے کہ تم Stay نہ لے سکے، کیونکہ ٹیکس چوری گناہ نہیں، stay نہ لینا گناہ ہے، جو stay لے آئے وہ معاف ہے۔

الیکشن کمیشن چوروں کے stay دینے کے لیے بیٹھا ہے۔۔۔ ٹیکس چوروں کو stay دے دیا۔۔۔ قرض خوروں کو stay دے دیا۔ میں نے الیکشن کمیشن کی طرف سے نامزدگی فارم کی فائل پوری قوم کو دکھا دی۔ ان کے محاسبہ کی ضرورت ہے، یہ کس قسم کا الیکشن کرائیں گے۔

میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ پوری قوم سن لے ایسے الیکشن کمیشن کے تحت اور ایسے نظام کے تحت ہونے والے الیکشن میں دھاندلی ہوگی، کرپشن ہوگی۔۔۔ انہی لوگوں کو پلٹا کر پھر حکومت میں لایا جائے گا۔۔۔ پھر معلق (hung) پارلیمنٹ بنے گی۔۔۔ مستحکم حکومت نہیں بنے گی۔۔۔ پھر انہی لٹیروں کا بازار لگے گا۔۔۔ میرے لفظوں کو یاد رکھنا، انہی چوروں لٹیروں کا بازار لگے گا۔۔۔ یہی کرپشن ہوگی۔۔۔ یہی hung پارلیمنٹ ہوگی۔۔۔ جمہوریت کے منہ پہ طمانچہ ہوگا۔۔۔ یہ الیکشن اس قوم کے لیے بہت بڑا جرم ہوگا۔ ظلم ہونے کو جا رہا ہے، پاکستان عوامی تحریک اس جرم میں حصہ دار بننے کے لیے تیار نہیں ہے، ہم اسے مسترد کرتے ہیں۔

4۔ تبدیلی - مگر کیسے؟

پاکستان عوامی تحریک اس کرپٹ الیکشن سسٹم کا حصہ دار بننے کو تیار نہیں۔ میں نے جو نعرہ پہلے دن لگایا تھا اللہ کی عزت کی قسم! میں آج بھی اسی نعرے پر قائم ہوں۔ جو پیغام پہلے دن دیا تھا آج بھی اسی پیغام پہ کھڑا ہوں۔ دنیا بدل جائے مگر میں اپنا اصول نہیں بدلوں گا۔ میں اپنا نظریہ نہیں بدلوں گا، اپنا کردار نہیں بدلوں گا۔ لوگو! میں 23 دسمبر کو بھی تمہارے ساتھ کھڑا تھا، آج بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہوں، ہم وفا کریں گے۔

سپریم کورٹ آف پاکستان نے 8 جون 2012ء کو ایک فیصلہ دیا تھا جسے لانگ مارچ ڈکلریشن کا حصہ بھی بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر شامل ہے کہ Vote for None کا کالم بنایا جائے۔ یعنی لوگوں کو موقع دیا جائے کہ جو کسی ایک امیدوار کو بھی ووٹ نہیں دینا چاہتے تو ووٹ کی پرچی پر اس بات کا اندراج ہو کہ میں کسی کو ووٹ نہیں دیتا تاکہ پتہ چلے کہ ان سب کو مسترد کرنے کے لیے بھی بہت سے لوگ ہیں۔ وہ کالم نہیں بنایا جا رہا، لوگوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ مسلم

لیگ (ن) کو ووٹ دو یا پیپلز پارٹی کو دو، فلاں کو دو یا فلاں کو دو۔ قوم کھل کر اپنے ضمیر کا اظہار نہیں کر سکتی۔

پاکستانی قوم سنے! جس دن الیکشن ہوگا اس دن ہر شہر میں ہزاروں لاکھوں لوگ اس کرپٹ نظام کے خلاف پر امن دھرنا دیں گے۔ ہر شہر میں اس نظام کے خلاف دھرنا ہوگا اور بالآخر اس نظام کو مرنا ہوگا۔ ہم اس نظام کے خلاف پرامن احتجاج کریں گے، صبح سے شام تک بیٹھیں گے۔ ہم دنیا کو بتائیں گے کہ

This is corrupt political system, and electroral reforms have not been enforced. We are protesting peacefully against the corruption.

ہم کرپشن کے خلاف دھرنا دے رہے ہیں۔ یہ Vote for None ہوگا۔ یہ سپریم کورٹ کے حکم پر عمل ہو رہا ہے۔ آج سے پولنگ ڈے کے دن کی تیاریاں شروع کرو۔۔۔ گھر گھر جائیں، مہم چلائیں۔۔۔ پارٹیاں اپنے امیدواروں کی مہم چلائیں اور آپ اس نظام کے خلاف اور کرپشن کے خلاف بغاوت کی مہم چلائیں۔۔۔ لوگوں کو motivate کریں۔ جس دن پولنگ ہو ہر شہر میں پرامن طریقے سے دھرنا دیں۔ law and order situation create نہیں کرنی۔۔۔ پولنگ اسٹیشنوں پر دھاوا نہیں بولنا۔۔۔ حملہ نہیں کرنا، clash نہیں کرنا۔۔۔ پولنگ اسٹیشن سے ہٹ کر کسی ایک شاہراہ پر ہزار ہا لوگ ہر ہر شہر میں دھرنا دیں تاکہ دنیا اور میڈیا دیکھے کہ لاکھوں کروڑوں لوگوں نے اس کرپٹ سسٹم کو مسترد کر دیا ہے۔ PAT کی تنظیم سازی کریں۔ ضلعی ہیڈ کوارٹر پر نظام بدلو دھرنا دینا ہوگا اور اسی دھرنے کی شکل میں ہماری انقلاب کی جد و جہد آگے چلے گی۔ یاد رکھ لیں اس الیکشن سے بننے والی حکومتیں نہ صاف ہوں گی نہ شفاف ہوں گی اور نہ مستحکم ہوں گی۔ دہشت گردی بڑھے گی، خون خرابہ بڑھے گا، کرپشن بڑھے گی، ایک دوسرے کے گریبانوں پر ہاتھ ڈالیں گے اور یہ اسمبلیاں پھر ٹوٹیں گی۔ ہم اس پورے تماشے کا حصہ نہیں بننا چاہتے۔ ہم نہیں چاہتے کہ جنہوں نے ٹیکس چوری کیا ہے وہ ممبران پارلیمنٹ بنیں۔۔۔ جنہوں نے قرضے کھائے ہیں وہ ممبران پارلیمنٹ بنیں۔۔۔ چونکہ انتخابی اصلاحات پہ عمل نہیں ہوا، نظام میں وہ تبدیلیاں جن کا حکومت نے وعدہ کیا تھا اور الیکشن کمیشن نے وعدہ کیا تھا وہ سب وعدے سے پھر گئے۔ لہٰذا ہم پرامن طریقے سے اپنے نظریے پر قائم رہتے ہوئے احتجاج کریں گے۔

”**پولنگ ڈے دھرنا۔اس نظام کو ہے مرنا**“ کے سلوگن کے ساتھ آگے بڑھیں۔

ہر گھر پر جھنڈے لگاؤ۔ اس تحریک کو عام کرو، میرے پیغام کو گھر گھر پہنچاؤ۔ انقلاب کی فکر کی شمعیں ہر جگہ جلا دو۔ انقلاب کا سویرا ان شاء اللہ طلوع ہوگا۔ غریبوں کے مقدر کی تاریک رات میں ان شاء اللہ روشنی آئے گی۔ غریبوں کے مایوس چہروں پر خوشیاں آئیں گی اور ظلم و جبر اور کرپشن کے نظام کو موت آئے گی، آخری فتح پاکستان کے عوام کی ہوگی، پاکستان کی ہوگی اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے اس ملک کے محروموں، مظلوموں، کمزوروں کی فتح ہوگی“۔

اظہار تعزیت: گذشتہ ماہ محترم قاری عبیداللہ قریشی (سیالکوٹ) کی ہمشیرہ، محترم غالب علی مغل (سیالکوٹ) کی والدہ، محترم قاضی محمد نعیم اختر، محترم قاضی طاہر وسیم (پنڈی گھیپ) کی والدہ، تحصیل ناظم پنڈی گھیپ کے نانا جان، محترم محمد ظہور الٰہی (حسن ابدال) کی والدہ، محترم محمد عظیم (واہ کینٹ) کے والد، محترم عبدالستار (ٹیکسلا کینٹ) کے والد، محترم خادم (ٹیکسلا کینٹ) کے والد، محترم محمد عظیم (پنڈ دادنخان)، محترم راجہ صفدر شبیر (کوٹلہ۔ گجرات) کی دادی اور محترم عامر مسعود لنگڑیال (گجرات) کے ماموں یاسین بھدر قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
اللہ تعالٰی جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین